

حالم

EPISODE 11



میراثِ پدرِ من

(My Father's Inheritance - Mere Baap Ki Wirasat)

نمرہ احمد

قسط 11

نمرہ احمد



تالیہ خواب میں فاتح کے سن باؤ والے گھر میں، خود کو ایڈم کے ساتھ خزانہ تلاش کرتے ہوئے دیکھتی ہے۔ فاتح تالیہ سے اپنی فائل کی واپسی کا مطالبہ کرتا ہے اور اسے اپنے گھر آنے سے منع کر دیتا ہے۔ تالیہ کو عصرہ سے پتا چلتا ہے کہ وہ سکہ ایڈم کے پاس ہے۔ ایڈم اسے ایک جیولر کو بیچ دیتا ہے۔ تالیہ اس کے حوالے سے اسے الجھا دیتی ہے اور جیولر کو بلیک میل کر کے سکہ نکلوا لیتی ہے، مگر سکہ اس کے ہاتھ میں دینے کے بجائے ایڈم اپنے قبضے میں کر لیتا ہے۔

فارض صاحب کے ذریعے فاتح کو حالم کا پتا چلتا ہے۔ فائل کی واپسی کے لیے حالم صبح تک کا وقت مانگتا ہے اور اس منصوبے میں فاتح کو بھی شامل کرتا ہے۔ فاتح اس کی باتوں سے متاثر ہو کر راضی ہو جاتا ہے۔ ایڈم پر سکے کا اسرار کھلتا ہے۔ حالم پتا چلا لیتا ہے کہ فائل اشعر کے آفس میں ہے۔

سمیع، تالیہ کو بلیک میل کرنے آتا ہے۔ بازار میں داتن، سمیع کو خوف زدہ کر دیتی ہے۔ حالم جان پہ کھیل کے اگلے روز ہی فائل اشعر کے سیف سے چرا کر لا دیتا ہے۔ فاتح، حالم سے بے حد متاثر ہوتا ہے۔

ایڈم کو تالیہ مشکوک لگتی ہے۔ وہ تالیہ کی گردن پہ نشان دیکھتا ہے تو اسے تاریخی کہانی یاد آ جاتی ہے اور وہ سمجھ جاتا ہے کہ تالیہ اس سکے کے پیچھے ہے جو ایڈم کے پاس ہے۔ عصرہ سے فاتح جھوٹ بولتا ہے۔ عصرہ کو فاتح اور اشعر دونوں پہ غصہ



آ تا ہے۔ فاتح سن باؤ کو پہنچنے سے پہلے وہاں ایک دن گزارنے جاتا ہے۔ عصرہ، تالیہ کی فرمائش پہ اسے بھی بلا لیتی ہے۔ فاتح سن باؤ کے گھر کی کہانی سناتا ہے۔ تالیہ اس گھر کے کنویں کو دیکھ کر سمجھ جاتی ہے کہ خزانہ کہاں ہے۔ وہ فاتح سے اس گھر کو خریدنے کی خواہش کا اظہار کرتی ہے۔ مگر وہ اسے بیچنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فاتح کو یاد آتا ہے کہ وہ عصرہ اور بچوں کے ساتھ پہاڑوں کی سیر کو جاتا ہے، جہاں آریانہ کو اس کی آیا دھوکے سے اغوا کر لیتی ہے۔ فاتح، آریانہ کے گرائے ہوئے پاپ کارن کے ذریعے آریانہ کی لاش تک پہنچ جاتا ہے۔ آریانہ مزاحمت کے دوران پہاڑ سے گر کر ہلاک ہو جاتی ہے۔ اس کے اغوا کار بھی کھائی میں گر کر مر جاتے ہیں۔ فاتح آریانہ کی مسخ شدہ لاش دفنا دیتا ہے۔ اور اس کی موت کا کسی کو نہیں بتاتا، کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ آریانہ کو صوفیہ رحمن نے اغوا کرایا تھا۔

ایڈم ملاکہ پہنچ جاتا ہے۔ ایڈم کو یقین دلانے کے لیے تالیہ بریسلیٹ اس کو دے دیتی ہے۔ ایڈم شک میں پڑ کر راستے میں فاتح کو سچ بتاتا ہے۔

تالیہ فاتح کے گھر میں خزانے کا راستہ تلاش کر لیتی ہے۔ فاتح اور ایڈم بھی پہنچ جاتے ہیں۔ فاتح اسے پولیس کے حوالے کرنا چاہتا ہے، مگر تالیہ خزانہ دیکھنے پر بضد ہوتی ہے۔ بالآخر تینوں بحث کے بعد ایک دروازے سے گزرتے ہیں۔ جہاں سے وہ ایک جنگل میں پہنچ جاتے ہیں۔ دروازہ غائب ہو جاتا ہے۔

راستے میں وہ ہی حالات پیش آتے ہیں جو تالیہ خواب میں دیکھ چکی ہے۔ اسے داتن کی باتوں میں سچائی نظر آنے لگتی ہے کہ وہ پندرہویں صدی کی لڑکی ہے جو وقت سے آگے نکل آئی تھی۔ خزانے کے لالچ میں، اور سچ کی تلاش میں تالیہ اور ایڈم پرانے زمانے میں پہنچ جاتے ہیں۔

فاتح پر کھل جاتا ہے کہ تالیہ ہی حالم ہے۔ اب اس کا رویہ بدل جاتا ہے۔ وہ حالات سے گھبرانے کے بجائے جنگل سے نکلنے کا سوچتا ہے۔ اور از خود ان دونوں کا لیڈر بن جاتا ہے۔

جنگل میں تالیہ کو آگہی ملتی ہے۔ کہ شہزادی تاشہ اس کے گاؤں کے لوگوں پر ظلم ڈھا رہی ہے اور اس نے تالیہ کے بابا کو بھی قید کر لیا ہے۔ تالیہ کو شہزادی تاشہ سے نفرت محسوس ہوتی ہے۔ مگر ایڈم اور وان فاتح تاریخی کتابوں کے حوالے سے تاشہ کو جانتے ہیں۔ وہ دونوں تاشہ کی تعریف کرتے ہیں اور وان فاتح تاشہ کا فین ہے۔

وان فاتح کو اپنے ملک میں ہونے والے انتخابات کی بھی فکر ہے اس کا خیال ہے کہ مراد دوبارہ چابی بنا دے گا تو وہ واپس اپنے ملک چلے جائیں گے اس مقصد کے لیے قدیم ملاکہ جانا ضروری ہے۔

یہ لوگ رین فاریسٹ میں سے راستہ تلاش کر کے جنگل میں جاتے ہیں۔ جہاں تالیہ ہرن کا شکار کر کے اسے آگ پر بھونتی ہے۔ کھانے کی یہ خوشبو قدیم ملاکہ کے لوگوں کو متوجہ کر لیتی ہے۔ اور تین قدیم باشندے وان فاتح، ایڈم اور تالیہ کو زبردستی پکڑ کر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ ایسے میں تالیہ کو دوبارہ آگہی ملتی ہے جب وہ ملاکہ کے ایک یتیم خانے میں جانے کیسے پہنچ گئی تھی۔ وہاں کی انچارج مسز ماریہ نے اس کا بریسلیٹ اتار لیا تھا اور ایک سنار کو بیچ دیا تھا مگر وہ سنار کے لیے بدبختی لایا تھا۔ وہ پھل نہیں رہا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ دوسری مصیبتوں میں بھی مبتلا ہو گیا تھا۔ یتیم خانے کی میڈم اینگنیس تالیہ پر چوری کا غلط الزام لگاتی ہے۔ اور اسی ضد میں تالیہ چوری کرنا اور زبردستی اپنا حق چھیننا سیکھتی ہے۔

یتیم خانے میں مسٹر ذوالکفلی آتے ہیں جو تھوڑا وقت بچوں کے ساتھ گزارنا چاہتے ہیں تا کہ اپنا من پسند بچہ ایڈاپٹ کریں۔ ان کا زیادہ وقت تالیہ مراد کے ساتھ گزرتا ہے۔ جو ہمہ وقت کسی پہاڑی پر محل کا اسکیچ بناتی ہے۔ ذوالکفلی اسے پیلے گلاب اور سکے کا ایک شعبدہ دکھا کر متاثر کرتے ہیں۔

ذوالکفلی ایک کون آرٹسٹ اور اسکالر ہے۔ وہ یتیم خانے میں بچہ ایڈاپٹ کرنے نہیں آیا تھا، بلکہ کسی جگہ نظر رکھنے آیا تھا اور موقع ملتے ہی وہاں سے ہیرا لے اڑا۔ پولیس تالیہ سے اس کا اسکیچ بنواتی ہے۔ تو وہ غلط اسکیچ بنا کر اسے بچا لیتی ہے۔

تالیہ کو بار بار یتیم خانے میں اپنے ساتھ ہونے والا برا سلوک یاد آتا ہے۔ اسے لاہور کے ایک گھر میں لے جایا جاتا ہے، جہاں اس پر اس فیملی کے دادا جی کے قتل کا جھوٹا الزام لگایا جاتا ہے۔ وہ سچائی ثابت کرنے میں ناکام ہو جاتی ہے۔ وہ

ملائیشیا کو یاد کرتی ہے۔ جہاں اس نے بالآخر ذوالکفلی کو ڈھونڈ نکالا تھا اور احسان مندی کے طور پر ذوالکفلی نے اسے اپنا سارا ہنر سکھا دیا تھا۔

تالیہ، ایڈم اور فاتح کو "ابوظفیر" نامی آدمی کے کارندے سے ایک پنجرے میں قید کر کے گھوڑا گاڑی کے ذریعے قدیم ملاکہ کے شہر لے جاتے ہیں۔ تالیہ خود کو اور ایڈم کو آزاد کرا لیتی ہے۔ مگر فاتح کو آزاد کرانے سے پہلے اغوا کاروں کو خبر ہو جاتی ہے۔ وہ دونوں فاتح کو چھوڑ کر فرار ہو جاتے ہیں۔ فاتح کو ایک قید خانے میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ جہاں ایک "البیتو" قیدی کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہے۔

قید میں فاتح کو ادراک ہوتا ہے، وہ ماضی میں کسی خاص مقصد سے بھیجا گیا ہے۔ وہ خود کو حالات کے رحم و کرم پہ چھوڑنے کے بجائے ان کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ تالیہ کی ذہانت سے وہ دونوں اپنے اغوا کاروں کو جل دے کر بھیس بدل کر شہر میں ہی پھرتے ہیں۔ جہاں تالیہ پہ انکشاف ہوتا ہے کہ وہ خود شہزادی تاشہ ہے اور بنداہارا کی بیٹی ہے۔ بنداہارا مراد اپنے ساتھیوں سے غداری کر کے انہیں پکڑوا دیتا ہے اور خود بادشاہ سے جو اس کا ماموں زاد ہے مل جاتا ہے۔ تالیہ صدمے سے چور ہو کر خزانے کی چابی حاصل کر لیتی ہے اور وقت کا دروازہ پار کر جاتی ہے۔ راجہ مراد، تالیہ کو اپنی بیٹی تاشہ کی حیثیت سے تسلیم کر لیتا ہے۔

گیارہویں قسط

☆☆☆

وہ احاطہ دراصل ابوالخیر نامی امیر تاجر کی حویلی کے گرد بنا تھا اور برآمدے میں تعمیر شدہ وہ طویل جیل اس کی ذاتی ملکیت تھی جہاں فاتح سمیت بہت سے دوسرے انسان قید تھے۔ رات بھر وہ اندر قید رہتے اور دن بھر وہ مشقت کرتے۔

صبح سلاخ دار دروازے کھول دیے گئے اور پہریدار قیدیوں کو قطار کی صورت باہر نکال لائے۔ ہر قیدی کے پیروں اور ہاتھوں میں لمبی زنجیر بندھی تھی۔ اتنی لمبی کہ وہ ہاتھ پیر ہلا کے کام کر سکتا تھا' اتنی چھوٹی کہ وہ تیز بھاگ نہ سکتا تھا۔

پہریدار دو قیدیوں کو اپنے ساتھ حویلی کے اندر لے گئے اور جب واپس آئے تو وہ دونوں ان کے ہمراہ نہ تھے۔ جانے ان کے ساتھ کیا ہوا۔ کوئی پوچھنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

باہر سڑک پار ایک اونچی عمارت بنائی جا رہی تھی جس کے پاس لکڑی' گارے' مٹی اور اینٹوں کے ڈھیر لگے تھے۔ قیدیوں کو وہاں تعمیراتی کام کرنا تھا۔ باہر آتے ہی تمام قیدی روز کے معمول کے مطابق اپنے اپنے کام میں جت گئے۔ فاتح بھی انہی لمبی زنجیروں میں بندھا تھا۔ جینز گھٹنوں سے پھٹ گئی تھی اور سفید شرٹ مزید گدلی ہو چکی تھی۔ شیو بھی پانچ روز کی بڑھی ہوئی تھی۔ دوسرے غلاموں کی پیروی میں وہ بھی خاموشی سے کام کرنے لگا۔ دھوپ تیز تھی اور زنجیروں کے باعث چلنے میں مشکل پیش آتی تھی مگر اس نے گارے کا تھال سر پہ رکھا اور اس طرف لے جانے لگا جہاں دوسرے قیدی جا رہے تھے۔

سورج سوا نیزے پہ پہنچا تو فاتح سڑک پہ چلتے لوگوں سے بے نیاز کھڑا ایک دیوار پہ گارا لیپتا دکھائی دے رہا تھا۔ دھوپ بہت تیز تھی۔ وہ بار بار آستین سے پیشانی پہ آیا پسینہ پونچھتا۔ سڑک کنارے وہ لوگ دیوار تعمیر کر رہے تھے۔ ادھر اس کا ہاتھ ڈھیلا پڑتا' ادھر کوئی پہریدار آ کے کمر پہ چھڑی رسید کرتا۔

قریب میں ایک خوانچہ فروش اپنی ریڑھی دھکیلتا آ رہا تھا۔ جب وہ فاتح کے قریب پہنچا تو کسی گاہک نے اسے روک لیا۔ وان فاتح اپنے ساتھ کھڑی ریڑھی سے بے نیاز دیوار پہ ہاتھوں سے گارا لگا رہا تھا۔

www.urdusoftbooks.com

''سر!'' سرگوشی پہ اس کے ہاتھ ٹھٹھک کے رکے۔ چونک کے مڑنے لگا مگر.....

''گارڈز دیکھ رہے ہیں سر۔ میری طرف مت گھومیں۔ اپنا کام کریں۔'' فاتح نہیں گھوما' بس آہستہ سے ازسرنو گارا ملنے لگا۔ پھر اسی آہستگی سے رخ ذرا سا موڑ لیا۔

اب اسے کن انکھیوں سے نظر آرہا تھا کہ ریڑھی کے ساتھ سر جھکائے' ہیٹ پہنے' وہ معزز سا دکھائی دیتا آدمی ایڈم ہی تھا۔

''تم ٹھیک ہو؟'' وہ لب ہلائے بغیر بولا۔ دل کو سکون سا ملا تھا۔

''جی سر۔ مگر آپ ٹھیک نہیں ہیں۔'' ایڈم سر جھکائے' منہ میں بولتا' ریڑھی کی ایک ایک چیز اٹھا کے دیکھ رہا تھا۔

''اور تالیہ؟'' اس نے اپنے متعلق سوال نظر انداز کیا۔

''آہ.....چے تالیہ!'' ایڈم نے گہری سانس بھری۔ ''وہ بھی ٹھیک ہیں۔ بلکہ سب سے زیادہ تو وہی ٹھیک ہیں۔''

''تم الور سونگائی کیوں نہیں گئے؟ تمہیں مراد کو ڈھونڈنا تھا۔'' فاتح اب جھک کے تھالی سے مزید گارا ہاتھوں پہ اٹھا رہا تھا۔ انداز میں ناخوشی تھی۔

''ہم شہر سے باہر تک گئے' پھر چے تالیہ ہمیں واپس لے آئیں۔ وہ آپ کو چھوڑ کے نہیں جانا چاہتی تھیں۔''

''بے وقوف!'' خفگی سے سر جھٹک کے سیدھا ہوا اور پتھروں کی تہہ پہ گارا ابھرا۔ ''ابھی کہاں ہے وہ؟''

''صبح ہم نے ایک گھر سے کپڑے.....ادھار لے کر پہنے (تھوک نگل کے کہا) اور پھر ہم بازار آ گئے ۔ وہاں سے وہ مجھ سے رات میں ملنے کا کہہ کے بنداہارا کے محل چلی گئیں۔''

''وہ محل کیوں چلی گئی؟''

ایڈم نے ذرا کی ذرا نگاہ اٹھا کے فاتح کو دیکھا' جس کا یہاں سے نیم رخ نظر آتا تھا۔ وہ سنجیدہ صورت بنائے گارے کی تہ پہ پتھروں کی تہ لگا رہا تھا۔ پسینے سے بھیگے بال شکن آلود پیشانی پہ جمے تھے۔

''وہ دراصل.....بات یہ ہے کہ.....'' ایڈم نے تھوڑی کھجائی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیسے یہ بات کہے۔ ''چے تالیہ کو ابھی ابھی معلوم ہوا ہے کہ.....وہ خود ہی.....دراصل.....شہزادی تاشہ ہیں۔''

گارا لیپتے وان فاتح کے ہاتھ تھم گئے۔ بالکل ساکت۔

''جی' یہ سچ ہے سر۔'' اس کی خاموشی پہ ایڈم کا حوصلہ بڑھا۔ ''وہ شہزادی تاشہ جن کے قصے ہم پڑھتے تھے' جن کے بارے میں بنگارایا ملایو لکھی گئی تھی' وہ دراصل چے تالیہ ہی ہیں۔ وہی بنداہارا کی بیٹی ہیں' اور وہ.....''

فاتح سر جھکا کے ایک دم ہنس پڑا۔ ایڈم کے الفاظ منہ میں رہ گئے۔

''اس نے محل کی طرف جانے سے پہلے تمہیں کہا کہ وہ شہزادی تاشہ ہے اور تم نے یقین کر لیا؟'' محظوظ انداز میں سر جھٹکا تو ایڈم کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہے۔

''سر' وہ واقعی.....''

"Adam! this is Taliyah for you," (تمہارے لیے وہ تالیہ ہے ایڈم) وہ اب بدقت مسکراہٹ دبا کے دیوار پہ گیلی مٹی لیپ رہا تھا۔ ''وہ ایک کون آرٹسٹ ہے' وہ کہانیاں گھڑتی ہے She lies for a living۔ (وہ زندہ رہنے کے لیے جھوٹ بولتی ہے) اس نے تم سے مذاق کیا.....ایک کہانی گھڑ لی اور تم نے یقین کر لیا۔ تمہیں کتنی دفعہ بتایا ہے میں نے کہ وہ تمہیں تنگ کرنے کے لیے ایسا کرتی ہے۔''

''نہیں سر' آپ غلط سمجھ رہے ہیں' وہ واقعی.....''

''وہ جہاں بھی جا رہی ہو گی' وہ شیئر نہیں کرنا چاہتی ہو گی۔ تھوڑی عقل استعمال کرو۔ اس کی عادت

www.urdusoftbooks.com

ہے تمہارے ساتھ مذاق کر کے تمہیں شرمندہ کرنا۔"

خوانچہ فروش اب ایڈم سے مایوس ہو چکا تھا جو ہر چیز کو مسلسل الٹ پلٹ کے دیکھے جا رہا تھا مگر خریدنے کی بات نہیں کرتا تھا۔ تنگ آ کے وہ اپنی ریڑھی دھکیلنے لگا۔ پہریدار دور کھڑے نگرانی کر رہے تھے۔ ایڈم نے بے بسی سے اطراف میں دیکھا۔ یہاں کھڑے رہنے کا جواز چھوٹ رہا تھا۔

"سر.... وہ واقعی میں شہزادی تاشہ ہیں' وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھیں' وہ...."

"مراد کو ڈھونڈو۔ الور سونگائی جاؤ اور چابی لے کر آؤ۔ اور اگر مراد قید میں ہے تو اس قید خانے کا پتا لگاؤ۔"

فاتح کام میں مصروف تھا۔ ایڈم کے پاس اب آگے بڑھ جانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

تھال خالی ہوا تو فاتح نے زنجیر والے ہاتھوں سے اسے اٹھاتے ہوئے پیچھے دیکھا۔ ایڈم اب وہاں نہیں تھا۔

"تالیہ بھی اس بے چارے کے ساتھ بہت زیادتی کر دیتی ہے۔" مسکراہٹ دبا کے سر جھٹکا اور تھال اٹھائے آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆

عشاء کی اذان کے ساتھ ہی ملاکہ شہر کی ساری مشعلیں اور قندیلیں بجھتی گئیں۔ مسجدوں سے گھروں کا رخ کرنے کے بعد لوگوں نے دروازوں کے کنڈے چڑھا لیے اور کھڑکیوں کے پردے گرا دیے۔ شہر گھپ اندھیرے میں ڈوب گیا۔ اوپر تاروں سے جھلملاتا آسمان البتہ خوب خوب روشن تھا۔

ایسے میں چند مکانوں کے عقب میں ایک درخت تلے ایڈم بیٹھا تھا۔ تھیلے کو سینے سے لگائے' وہ احتیاط سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے گردونواح میں دیکھتا تھا۔ رات کے اس پہر سب کچھ سنسان اور خاموش تھا۔

"ایڈم!" پیچھے سے نسوانی سرگوشی ہوئی تو وہ اچھل ہی پڑا۔ پھر تالیہ کو دیکھ کے جان میں جان آئی۔ وہ صبح والے لباس میں تھی' مگر سر پہ لٹو والا ہیٹ تھا۔ ایڈم نے چہرے پہ خفگی طاری کی۔

"کہاں تھیں آپ؟" دبی دبی آواز میں پوچھا۔

"میں اپنے بابا کے پاس گئی تھی۔ راجہ مراد میرے بابا ہیں۔" وہ اس کو دیکھتے ہوئے جلدی سے بولی۔ اداس بھی لگ رہی تھی۔ سنہری بال جوڑے میں تھے اور چند لٹیں گالوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ ایڈم نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

"آپ مذاق تو نہیں کر رہیں نا؟"

"نہیں۔ میں تو کامیڈین ہوں۔ میری زندگی میں تم سے مذاق کرنے کے علاوہ دوسرا کام کون سا رہ گیا ہے؟" اس کے تو سر پہ لگی تلووں پہ بجھی۔ ایڈم خفیف سا ہوا۔

"نہیں' میرا مطلب ہے' میں کیسے یقین کروں کہ آپ ایک دم سے شہزادی نکل آئی ہیں' ہاں؟ کل تک تو

آپ لکڑہارے کی بیٹی تھی' اور آج بنداہارا کی؟"

تالیہ نے گہری سانس لی۔

"دیکھو ایڈم!" آرام سے سمجھانے لگی۔ "اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس کی حیثیت کے مطابق نوازتا ہے۔ کسی کو کچھ کم دیتا ہے' کسی کو زیادہ دیتا ہے۔ تمہیں اللہ تعالیٰ نے صرف کھوپڑی سے نوازا ہے' اور اندر دماغ کے نام پہ جو دیا ہے نا' وہ پہلے ہی بہت تھوڑا ہے۔ اس پہ زیادہ زور دو گے تو خدانخواستہ ختم ہو جائے گا۔ سو چپ کر کے میری بات سنو!" لہجہ بدل کے غرائی تو ایڈم کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔

"اچھا۔ مان لیا۔ آپ ہی شہزادی ہیں۔" بھنویں اکٹھی کر کے ناراضی سے بولا۔ "تو پھر شہزادی تاشہ پہ اتنے دن سے غصہ کیوں کر رہی تھیں؟"

"کیونکہ میں اپنے خواب کو ٹھیک سے سمجھ نہیں سکی تھی۔ جس شہزادی کو اس میں ظالم کہا جا رہا تھا وہ یان سوفو تھی۔ شہزادی تاشہ کوئی نہیں تھی۔ میرے بابا سلطان مرسل کے پھوپھی زاد ہیں۔

سلطان مرسل کے والد کی حکومت میں ان کو شہر بدر کر دیا گیا تھا۔ وہ الور سونگائی نامی گاؤں چلے گئے اور وہاں باغیوں کی ایک تنظیم بنالی جس کا نام پمورو تھا۔ وہ سلطان کی پالیسیوں سے نالاں تھے اور لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے کچھ کرنا چاہتے تھے مگر جب سلطان مر گیا اور اس کا بیٹا مرسل سلطان بن گیا اور اس کے بنداہارا اور شہزادی یان سوفو نے مل کے پمورو کے لوگوں کو گرفتار کیا اور ان کے گھر اجاڑے' تو بابا نے اپنے لوگوں کا ساتھ چھوڑ دیا اور بنداہارا کے ساتھ مل گئے۔ یوں بنداہارا نے ان کو دوست سمجھ کے ان کو مرسل سے معافی دلوادی۔ اس کے بعد بابا نے مرسل شاہ پہ جانے کون سا جادو کیا کہ بابا کے کہنے پہ مرسل نے پچھلے بنداہارا کو پھانسی چڑھا دیا اور بابا کو بنداہارا کی گدی دے دی۔

اب شہزادی یان سوفو بابا کی دشمن ہو گئی ہے۔ چند دن بعد اس کی سلطان مرسل سے شادی ہو رہی ہے مگر مجھے لگتا ہے مرسل شاہ اپنی شہزادی سے زیادہ میرے بابا کے زیر اثر ہے۔"

"بڑے کوئی ولن ہیں آپ کے بابا۔ تو وہی تو میں سوچ رہا تھا کہ آپ کس پہ گئی ہیں۔" پھر تالیہ کے گھور کے دیکھنے پہ گہری سانس لی۔ "خیر.... ہمیں ان کی لڑائیوں سے کیا۔ آپ یہ بتائیں' آپ کے بابا چابی دے رہے ہیں یا نہیں؟"

"یہ سب اتنا سادہ نہیں ہے۔" وہ ڈپٹ کے بولی اور سارے دن کی روداد سنادی۔ اندھیرے میں درخت تلے کھڑے وہ دو ہیولے لگتے تھے جو دبی سرگوشیوں میں بات کر رہے تھے۔

"یعنی راجہ مراد آپ کو اسی دنیا میں رکھنا چاہتے ہیں' اور وہ چابی کے بارے میں کچھ سننے کو تیار ہی نہیں ہیں؟" وہ ساری بات سن کے سوچتے ہوئے بولا۔

"وہ عجیب انسان ہیں' ایڈم۔ شاطر' چالاک اور بہت ہشیار۔ ہمیں ان سے چھپا کے پلان کرنا ہے جو بھی کرنا ہے۔"

"آپ باہر کیسے نکلیں محل سے۔"

"چھتیں پھلانگنا اور دیواریں کودنا آتی ہیں مجھے۔" ناک سے مکھی اڑائی۔

"تو اب آپ محل میں رہیں گی؟" قدرے رشک سے اسے دیکھا۔

"ہاں۔ تم ابھی کسی سرائے میں رہ لو۔ میں تمہارے لیے سکے لائی ہوں۔" اس نے ایک پوٹلی سی ایڈم کی طرف بڑھائی۔ ایڈم نے جلدی سے وہ تھام لی۔ "یہ تو بھاری ہے۔ خیر.... اب تو آپ کے پاس کافی دولت آ گئی ہو گی۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بمشکل ایک کمرے سے نکال کے لائی ہوں۔ کسی کو اپنی طرف سے مشکوک بھی تو نہیں کر سکتی نا۔" پھر ٹھہر گئی۔ اور غور سے دیکھا۔ ایڈم تھیلے میں پوٹلی ڈال رہا تھا۔

"یہ تم نے کہاں سے لیا؟ دکھاؤ۔" مشکوک انداز میں بولی تو اس نے جھٹ تھیلا کھول کے دکھایا۔

"ایک سرائے میں بیٹھے کسی آدمی کا چرایا ہے

۔وہ بنگارایا ملایو کے نام سے کتاب لکھ رہا تھا مگر پیسے وغیرہ نہیں تھے اس کے پاس۔کنگال رائٹر۔ہونہہ۔" مایوسی سے کورے صفحے نکال کے دکھائے اور واپس اندر ڈال دیے۔پھر یاد آیا۔

"میں آج ملا فاتح صاحب سے۔"

تالیہ چونکی۔"واقعی؟"

"جی جی تالیہ۔ان کو ساتھی قیدیوں سمیت اس احاطے کے باہر والی دیوار کی تعمیر کا حکم ملا ہے' وہ وہیں تھے۔میں نے ان سے بات کی۔ان کو یہ سب...." (تالیہ کی طرف شرمندہ سا اشارہ کیا۔) بھی بتایا۔"

"یہ سب کیا؟"

"یہی کہ....آپ ہی....(تھوک نگلا) شہزادی تاشہ ہیں۔"

"اچھا!" اس نے گردن ذرا اکڑاتے ہوئے نزاکت سے لٹ انگلی سے پیچھے کی۔"تو کیا کہا انہوں نے؟" سرسری سا پوچھا۔

"یہی کہ آپ تو پیدائشی چور ہیں اور ماشاء اللہ سے جھوٹی کہانیاں گھڑنا آپ کے بائیں ہاتھ کا کام ہے اس لیے یہ بھی کوئی کہانی ہی ہے جو آپ نے مجھے فیڈ کر دی ہے اور بہتر ہے کہ میں آپ کی بات کا یقین نہ کروں اور الور سونگائی جا کر لکڑہارے مراد کو ڈھونڈوں' اس سے چابی لوں اور ہم تینوں واپس چلے جائیں۔ان کو لگتا ہے میں آپ کی من گھڑت کہانیوں پہ جلدی اعتبار کر لیتا ہوں کیونکہ...." آنکھیں سادگی سے جھپکائیں۔"میں کتابیں جو بہت پڑھتا ہوں۔"

ادھر اس کی بات ختم ہوئی' ادھر دانتوں پہ دانت جمائے تالیہ مراد کا چہرہ مارے غصے کے سیاہ پڑتا گیا۔

"ہونہہ۔ان کو انسانوں کی پہچان کبھی بھی نہیں تھی۔" اور پیر پٹخ کے اٹھ گئی۔ایڈم نے ہڑبڑا کے پکارا۔

"آپ جا رہی ہیں....تو پھر اب ہم کہاں ملیں گے؟"

"کل صبح احاطے کے سامنے وان فاتح کے ساتھ میرا انتظار کرنا۔روشنی ہونے کے پورے گھنٹے بعد میں تم سے ادھر ہی ملوں گی۔" وہ مڑے بغیر بولی اور آگے بڑھ گئی۔ایڈم ارے ارے کرتا رہ گیا مگر وہ اندھیرے میں گم ہو چکی تھی۔

ایڈم نے بے بسی سے ادھر ادھر دیکھا۔شہر گھپ اندھیرے میں ڈوبا تھا۔مکان تاریک پڑے تھے۔سرائے چند کوس کے فاصلے پہ تھی۔وہ وہاں پہلے ہی کمرہ لے چکا تھا' اور اسے چینی سمجھ کے اشاروں کی زبان میں بات کر کے سرائے کے مالک نے تسلی بھی کر لی تھی۔اس کا کمرہ فی الحال اس کا انتظار کر رہا تھا سو وہ اسی سمت میں چل دیا۔یہ تھیلی اس کے لیے کافی تھی۔

☆☆☆

صبح سورج کا تھال ملاکہ کے قدیم آسمان پہ نمودار ہونے لگا تو روشنی کی کرنیں سلاخ دار دیوار سے اندر گرنے لگیں۔دو پہریدار حسب معمول دروازے تک چلتے آئے تو ان کے قدموں کی چاپ سن کر قیدی بیدار ہونے لگے۔گدلے میلے جسموں اور کپڑوں والے بے حال قید لوگ....کوئی اٹھ کھڑا ہوا' کوئی کونے میں کھسک گیا۔

ایسے میں اپنی جگہ پہ اکڑوں بیٹھا وان فاتح بار بار اس البینو کو دیکھ رہا تھا جو پہریداروں کی آمد کے ساتھ ہی غصے میں نظر آنے لگا تھا۔اس کے چہرے پہ کرب اور نفرت کے ملے جلے تاثر نمودار ہو گئے تھے جیسے وہ ایک خاموش احتجاجی لڑائی کے لیے تیار ہو۔ہر روز اس کا کھانا گرا دیا جاتا تھا اور اسے ذلیل کیا جاتا تھا۔شاید وہ کوئی معزز آدمی تھا جو ان کی قید میں آ پھنسا تھا اور وہ اپنی خودداری اور باعزت زندگی کو بھول نہیں پا رہا تھا۔

تالا کھول کے دونوں پہریدار اندر داخل ہوئے۔ایک ہنٹر لہرا رہا تھا اور دوسرے نے کھانے کا تھیلا اٹھا رکھا تھا۔باری باری کھانا بانٹتا وہ پہریدار آگے بڑھتا گیا' یہاں تک کہ وہ البینو کے پاس آ رکا۔دوسرے قیدی خاموشی سے انہیں دیکھنے لگے کہ چلو دیکھتے ہیں آج کیا ہوتا ہے۔

پہریدار نے تمسخر سے اسے دیکھتے تھیلے سے چاولوں کی گیند نکالی اور اس کی طرف بڑھائی۔ پھر ابرو سے اشارہ کیا گویا کہہ رہا ہو "لے لو۔"

فاتح تیزی سے اٹھا اور پہریدار کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

جہاں پہریدار چونکا' وہیں سارے میں خاموشی چھا گئی۔ سب نے دم سادھ لیے۔

فاتح نے کھانا لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اپنی گہری آنکھیں وہ پہریدار کی آنکھوں میں ڈالے ہوئے تھا۔ کوئی رعب تھا یا کیا' پہرے دار نے کھانا گرانے کی بجائے اس کے ہاتھ پہ رکھ دیا۔

فاتح نے اس کی آنکھوں سے نظریں ہٹائے بغیر.... گیند کو خود زمین پہ گرا دیا۔

بہت سے لوگوں کے منہ کھل گئے۔ البیتو خود دھک سے رہ گیا۔ ہنٹر والے کا ہوا میں ہنٹر لہراتا ہاتھ ٹھہر گیا۔

پھر فاتح نیچے جھکا' گرد آلود گیند اٹھائی' اس کی گرد جھاڑی اور کھڑے ہوتے ہوئے البیتو کی طرف مڑا۔

"اٹھو!" جدید ملے میں کہتے ہوئے انگلی سے اشارہ کیا۔ بھلے الفاظ البیتو کی سمجھ میں نہ آئے ہوں' مگر اشارہ سب کی سمجھ میں آ رہا تھا۔ البیتو بس اسے دیکھتے ہوئے دھیرے سے اٹھ گیا۔

"اسے کھاؤ! ابھی!" سختی سے کہہ کے کھانا اس کے ہاتھ پہ رکھا۔ "کسی دوسرے سے دشمنی میں اللہ کے رزق سے منہ نہیں موڑتے۔ ہمارا جسم بھی ہمارے پاس اللہ کی امانت ہے۔"

البیتو نے میکانکی انداز میں کھانا لبوں کی طرف بڑھایا' تو فاتح نے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔ "ٹھہرو۔" پھر مڑا اور ہنٹر والے کی طرف اشارہ کر کے تھیلے والے سے بولا۔

"یہ آئندہ.... اس قید خانے میں.... یہ ہنٹر لے کر.... نہیں آئے گا۔ اس سے کہو.... یہ واپس جائے۔" وہ چبا چبا کے کہتا ساتھ میں اشارہ بھی کر رہا تھا۔ دو دفعہ پھر اس نے اپنی بات دہرائی۔

"یہ آدمی آج سے روز کھانا کھائے گا' ہر آدمی کھانا کھائے گا مگر یہ ہنٹر لے کر دوبارہ اندر نہیں آئے گا۔ ٹھیک؟" اس کی آنکھیں پہریدار کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔ پیچھے البیتو لبوں کے قریب توشہ رو کے ہوئے کھڑا تھا۔ سارے قیدی دم سادھے اس طرف دیکھ رہے تھے۔

تھیلے والے نے اثبات میں سر ہلایا اور ہنٹر والے کو اشارہ کیا۔ اس کے چہرے پہ غصہ اور مزاحمت در آئی۔ اس نے احتجاجاً کچھ کہا مگر جواباً تھیلے والے نے اسے جھڑک دیا۔ ہنٹر والے نے برہمی سے فاتح کو دیکھا' پھر زور سے ہنٹر زمین پہ مارا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

فاتح نے البیتو کو اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے بیٹھا اور کھانا کھانے لگا۔ تھیلے والے پہریدار نے ایک گیند نکال کے فاتح کی طرف بڑھائی۔ فاتح نے ایک نگاہِ غلط اس پہ ڈالتے ہوئے اسے تھام لیا۔

پہریدار اب خاموشی سے باقی قیدیوں کو ان کا کھانا دینے لگا' البتہ بار بار وہ مڑ کے فاتح بن رامزل کو دیکھتا ضرور تھا۔

☆☆☆

سنہری صبح ملاکہ کی اس پہاڑی پہ پھیل رہی تھی۔ نیچے سمندر کی لہریں ٹھاٹھیں مارتی دکھائی دے رہی تھیں اور اوپر محل کی اونچی کھڑکیوں کے پردے ہوا سے لہرا رہے تھے۔ ایسی ہی ایک کھڑکی سے اندر جھانکو تو سامنے مسہری پہ تالیہ مراد بیٹھی نظر آ رہی تھی۔

کسی بت کی طرح گردن اکڑائے' کمر سیدھی رکھے' وہ سپاٹ چہرہ لیے ہوئے تھی۔ دو کنیزیں اس کو تیار کر رہی تھیں۔ اس نے سرخ کامدار لباس پہن رکھا تھا' جیسے لہنگا ہو اور اوپر لمبی قمیص۔ کانوں میں قیمتی پتھر جڑے آویزے تھے۔ ایک کنیز اس کے بالوں کا اونچا جوڑا بنا رہی تھی اور دوسری ناخن تراش رہی تھی۔ شریفہ نامی کنیز ہاتھ باندھے سامنے کھڑی تھی۔

"بابا کہاں ہیں؟" دفعتاً تالیہ نے شریفہ سے

سپاٹ انداز میں پوچھا۔

"راجہ مراد محل کے لیے روانہ ہونے والے ہیں۔" (اس کا اشارہ سلطان کے محل کی طرف تھا جو یہاں سے چند کوس کے فاصلے پہ واقع تھا۔)

"مجھے ان سے ملنا ہے۔" تالیہ نے ایک دم ہاتھ کھینچا اور بے چینی سے کھڑی ہوئی۔ دوسری کنیز کے ہاتھ سے اس کے بال بھی نکل گئے۔

"میں ان کو خبر کر دیتی ہوں شہزادی۔ وہ ملنا چاہتے ہوں گے تو روانگی کو موخر کر دیں گے۔ آپ یہیں بیٹھیے۔" شریفہ نے ادب سے کہا تو وہ ذرا سنبھلی۔ پھر سرسری سا "ہاں خبر کر دو" کہہ کے مصنوعی انداز میں گردن اکڑائی اور واپس بیٹھ گئی۔ شریفہ باہر نکل گئی اور دونوں کنیزیں اس کو تیار کرنے لگیں۔

"شہزادی آپ کے بالوں کا رنگ اتنا حسین کیسے ہے؟" پیچھے کھڑی کنیز نے اس کے بال سنوارتے ہوئے حسرت سے پوچھا۔

"زیادہ سوال مت پوچھو۔ اپنا کام کرو۔" وہ رعب سے بولی تو کنیز خفیف سی ہو کے جلدی جلدی بال بنانے لگی۔

دوسری کنیز اٹھی اور پاؤڈر سے بھرا پیالہ لے آئی۔ تالیہ نے اس میں جھانکا اور ناک چڑھائی۔

"یہ کیا ہے؟"

"یہ سنگھار ہے۔ خالص ترین گندم کو پانی میں پندرہ دن تک رکھتے ہیں، پھر پیس کے، چھان کے، سکھا دیتے ہیں۔ استعمال کرنے سے پہلے اسے عرقِ گلاب میں ملاتے ہیں۔ چہرے کو خوب سفید کر دیتا ہے یہ۔"

(آہ۔ فاؤنڈیشن۔) وہ گہری سانس بھر کے رہ گئی۔ کنیز مہارت سے وہ اس کے چہرے پہ لگا رہی تھی۔ پھر انجلیکا کے سرخ پتوں کے سفوف سے اس کے گالوں کو گلابی کیا۔ اس کے بعد ڈبیا سے ایک پیسٹ انگلی پہ نکالا اور ہونٹوں پہ ملنے لگی۔ وہ چربی اور تازہ بو سے تیار کردہ لپ اسٹک تھی۔ دوسری کنیز اس کا جوڑا بنا چکی تھی اور سامنے کو نکالی لٹوں کو اب گرم دہکتے لوہے کے راڈ پہ لپیٹ کے گھونگریالا کر رہی تھی۔

وہ چپ چاپ سارے کام اپنے اوپر ہوتے دیکھتی رہی۔ دیوار پہ لگے آئینے میں اس کا سجا سنورا روپ بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ جنگل میں اتنے دن مٹی سے اَٹے چہرے سے پھرنے کے بعد اسے ہر شے قبول تھی۔

☆☆☆

راجہ مراد جس کمرے میں اس کا انتظار کر رہا تھا وہ اس کا دربار تھا۔

تالیہ کے سامنے جب پہریداروں نے دروازے کھولے تو اس نے دیکھا، وہ مستطیل کمرہ ہے، اور سیدھ میں قالین بچھے ہیں۔ دائیں بائیں کرسیاں قطار میں رکھی ہیں۔ جب دربار لگتا تو وہاں درباری بیٹھتے تھے۔ ابھی وہ خالی تھیں۔

قالین جہاں ختم ہوتا وہاں اونچا چبوترہ بنا تھا جس پہ راجہ مراد تخت پہ شان سے بیٹھا میز پہ رکھے کاغذات دیکھ رہا تھا۔ سنہری اور سفید شاہی پوشاک پہنے، سر پہ سرخ ریشمی پٹی باندھے، اس کی نظریں کاغذوں پہ جھکی تھیں۔ آہٹ پہ محض نظر اٹھا کے دیکھا تو سامنے سے سرخ سنہری لباس میں مسکراتی ہوئی تالیہ چلتی آ رہی تھی۔ وہ اسے دیکھتا رہا، یہاں تک کہ وہ قریب آ گئی اور چبوترے کے زینوں کے ساتھ رکی۔

"بابا!" مسکرا کے بولی۔ "صبح بخیر۔"

راجہ مراد نے صرف سر کو خم دیا۔ ہاتھ ہنوز روکے ہوئے تھا۔

"آپ کو محل کے لیے روانہ ہونا ہے، اس لیے میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔ میں اس چابی کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔ اگر آپ مجھے وہ چابی دوبارہ بنا دیں، تو میں اپنی دنیا میں واپس جا سکتی ہوں۔ مجھے وہاں چند ایک کام نپٹانے ہیں، اس کے بعد میں واپس آ جاؤں گی، یہی میرا گھر ہے اور میں اپنے محل کو کبھی بھی نہیں چھوڑ سکتی۔ مجھے واپس آنا ہی ہے۔ مگر چند دن کے لیے مجھے ادھر جانا ہوگا، سو اگر آپ....." وہ ایسے پیار سے کہہ رہی تھی جیسے کسی

بچے کو بہلایا پھسلایا جاتا ہے۔

''تم سیدھ میں نہیں چلتیں۔'' وہ سنجیدگی سے اس کو دیکھتے ہوئے بولا تو تالیہ کے الفاظ ٹوٹ گئے۔

''جی؟''

''تمہاری چال درست نہیں ہے' تمہارا لہجہ خراب ہے' تمہارے آدھے الفاظ سمجھ میں نہیں آتے' تم بہت تیز تیز گفتگو کرتی ہو۔ تم نے بات کا آغاز کرنے سے پہلے سر جھکا کے مجھے سلام نہیں کہا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ محل میں آنے کے بعد تم مجھے 'بابا' نہیں 'بنداہارا' کہو گی۔ تمہیں ابھی تربیت کی ضرورت ہے۔'' اس نے کاغذ رکھے' اور ایک شان سے اپنا چغہ سمیٹتے ہوئے اٹھا۔ چبوترے پہ کھڑا وہ تالیہ کو بہت اونچا' بہت پُر ہیبت لگا تھا۔

اس نے بے اختیار تھوک نگلا۔

''چابی۔ مجھے وہ چابی چاہیے ' بابا۔''

''میرے پاس کوئی چابی نہیں ہے' تاشہ۔ آج کے بعد میں اس کا ذکر بھی نہیں سننا چاہتا۔ وہ سب پیچھے رہ گیا ہے۔'' وہ چبوترے کے زینے اترا اور اس کے سامنے آ کھڑا ہوا' پھر دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پہ رکھے۔ ایسی آہنی گرفت تھی وہ کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی۔

''تمہاری دنیا یہ ہے' وہ نہیں۔ وہاں تمہارے لیے کچھ نہیں تھا۔ میں چاہتا ہوں تم اس دنیا کو بھلا کر یہیں رہو۔ عیش و عشرت سے زندگی گزارو۔ راج کرو۔ دولت اور طاقت کا مزہ حاصل کرو۔ میں کبھی بھی دوبارہ تمہارے منہ سے اس دنیا کا ذکر نہیں سننا چاہتا۔ وہ باب اب بند ہو چکا' تاشہ!'' اس کے الفاظ تھے کہ کوئی یخ بستہ ہوا جو تالیہ کی ہڈیوں میں گھس کے خون کو جما رہی تھی۔

وہ پھیکا سا مسکرائی اور سر کو اثبات میں خم دیا۔

''جیسے آپ کا حکم' بابا۔'' مراد نے اس کے کندھوں سے ہاتھ ہٹائے اور آگے بڑھ گیا۔

حالم کا دماغ تیزی سے چل رہا تھا۔ ایک دم وہ مڑی۔

''مگر اُس دنیا کے محل زیادہ خوبصورت تھے آقا۔ میں تو ایک دن میں ہی اس محل سے اکتا گئی ہوں۔ کیا ہم اس کی تزئین و آرائش نہیں کر سکتے؟''

مراد کمر پہ ہاتھ باندھے باہر جا رہا تھا' اس بات پہ رکا اور واپس پلٹا۔

''یہ محل کافی خوبصورت ہے' تاشہ! اور محل تو کیا' ملاکہ بھی بہت خوبصورت ہے۔ تمہاری دنیا سے زیادہ خوبصورت۔'' پھر وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''تمہیں شاید اس بات پہ یقین نہیں ہے۔ تم یوں کرو' اپنے شاہی عملے کے ساتھ شہر کا دورہ کر آؤ۔ تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ ملاکہ اور تمہاری دنیا میں کیا فرق ہے۔'' اور پھر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا آگے بڑھ گیا۔

(ہماری دنیا اور آپ کی دنیا بہت مختلف ہے' راجہ مراد!) وہ تندی سے سوچ گئی۔ ماتھے پہ بل پڑے تھے۔ پہلا مرحلہ تو طے ہوا۔ اسے باہر جانا تھا مگر حالم ہمیشہ ایسے بات کرتا تھا کہ سامنے والے کو لگے' سارا آئیڈیا اسی کا تو تھا۔ اب وہ بہ آسانی باہر جا سکتی تھی۔ پلان اے۔

چابی مانگنے کی آخری کوشش بھی ناکام گئی تھی۔ مگر خیر۔ وہ صرف ایک کمزور سا پلان اے تھا۔ اب اسے پلان سی پہ عمل کرنا تھا۔

☆☆☆

ملاکہ شہر کے بازار میں صبح سویرے ہی رونق لگ گئی تھی۔ گاہکوں کا رش دکانوں پہ لگا تھا۔ خوانچہ فروش صدا لگاتے اپنا سامان بیچ رہے تھے۔ ایسے میں بازار کی اس گلی میں آؤ جہاں وہ احاطہ واقع تھا تو اس کے سامنے والی زیرِ تعمیر حویلی کے اندر باہر مزدور کام پہ لگے دکھائی دیتے تھے۔ حویلی کی چار دیواری ایک جگہ سے چار ہاتھ اونچی تھی اور اس کے اوپر وان فاتح جھکا کھڑا تھا۔ اس کے پاس ڈرائی وُڈ اور پتھروں کی بنی اینٹوں کا ڈھیر لگا تھا' اور وہ گارے سے لتھڑے ہاتھوں سے ان کو اٹھا اٹھا کے دیوار پہ جما رہا تھا۔ سفید گدلی شرٹ مزید گدلی ہو چکی تھی۔ بانہوں پہ کل والی مٹی ہنوز جمی تھی اور ذرا ذرا سا گارا ماتھے اور گال پہ بھی

لگا تھا جس سے وہ بے نیاز، بے خبر نظر آتا تھا۔

"سر!" ایڈم نے قریب آ کے پکارا تو وہ چونک کے پلٹا۔ ایڈم کے سر پہ ہیٹ تھا اور ہاتھ معزز افراد کی طرح کمر پہ باندھ رکھے تھے۔ لباس کل والا تھا۔ فاتح نے فوراً پہرے داروں کی طرف دیکھا، اور پھر قریب کھڑے الہیو کو اشارہ کیا۔ الہیو نے سر ہلایا اور آس پاس کھڑے تین چار قیدیوں کو نگاہوں کی زبان میں کچھ کہا۔ چند ہی لمحوں میں تمام مزدور اپنی اپنی جگہ سے آگے پیچھے ہٹ گئے، اور انہوں نے کچھ اس طرح سے اپنی ترتیب جوڑی کہ دور کھڑے پہریداروں کے راستے میں حائل ہو گئے۔ فاتح اور ایڈم ان کی نظر سے چھپ گئے۔

"لگتا ہے آپ نے کچھ نئے دوست بنا لیے ہیں، سر!" ایڈم متعجب ہوا۔ جس ریڑھی کی اوٹ میں وہ کھڑا تھا، اس کو بھی بھول گیا کیونکہ اب کوئی پہرے دار اس طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ "کل تک تو یہ آپ کے دوست نہیں تھے۔"

فاتح نے مسکرا کے گارے میں لتھڑی اینٹ اٹھائی اور دیوار پہ جمائی۔

"کل تک وہ مجھے کوئی جنگجو سمجھ رہے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ میں ان کے لیے پہریداروں سے لڑائی کر لوں۔"

"تو کیا آپ جنگجو نہیں ہیں، سر؟"

"ہر ایک کا لڑنے کا اپنا طریقہ ہوتا ہے۔ میں سیاست دان ہوں۔ میں مفاہمت، بات چیت اور تدبیر سے درمیانی راہ نکالنے پہ یقین رکھتا ہوں، جس میں دونوں فریقین کو ان کی مرضی کی شے مل جائے۔ خیر۔" اس نے سر جھٹکا۔ پھر احتیاط سے ادھر ادھر دیکھا۔ "تم بتاؤ، کیا تم الورسونگائی جا رہے ہو تالیہ کے بابا کو ڈھونڈنے؟"

"نہیں۔ سچے تالیہ نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ مجھے یہیں ملیں گی۔ ابھی کچھ دیر میں۔" ایڈم نے ہیٹ ذرا اوپر سرکایا۔

"اس کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا یہاں آنا خطرناک ہے۔ تم دونوں کو چاہیے کہ فوراً یہاں سے نکلو۔" وہ واقعی جھنجلایا۔

"سر.... وہ...." ایڈم نے بار بار لب کھولے، پھر بند کر دیے۔ فاتح گارے سے لتھڑے ہاتھ کمر پہ رکھے، ناخوشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم وقت ضائع کر رہے ہو۔"

"سر.... شہزادی تاشہ در اصل (تھوک نگلا) سچے تالیہ ہی ہیں۔"

فاتح نے اچنبھے سے دونوں ابرو اٹھائے۔ "واقعی؟ اور یہ تمہیں تالیہ نے خود بتایا ہے؟"

"جی۔ وہ سچ کہہ رہی ہیں۔ بنداہارا ان کے بابا ہی ہیں۔ راجہ مراد۔ اور وہ اب محل کی مکین ہیں۔"

"اچھا اور تم نے اپنی آنکھوں سے یہ سب دیکھا ہے؟ اس کا محل، اس کا باپ؟"

ایڈم نے بے اختیار گردن کی پشت کھجائی۔

"نہیں، مگر انہوں نے کہا تھا کہ شہزادی تاشہ وہ خود ہی ہیں.... وہ شہزادی تاشہ جن کے قصے ہم کتابوں میں پڑھتے آئے ہیں۔ وہ تمام قصے ابھی پیش نہیں آئے۔ وہ اب پیش آنے ہیں۔ اور اب وہ تاریخ کا حصہ بنیں گے۔"

"او کے!" وہ قدرے برہمی سے مڑا اور زور زور سے اینٹیں اٹھا کے دیوار پہ جمانے لگا۔

ایڈم نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ "سر.... اگر وہ واقعی شہزادی ہیں تو وہ بے پناہ اختیارات کی مالک ہوں گی، اور یوں...."

فاتح تیورا کے اس کی طرف گھوما اور افسوس سے اسے دیکھا۔

"تمہیں واقعی اس کے اس افسانے پہ یقین ہے؟"

ایڈم نے جواب نہیں دیا۔ وہ فاتح کے کندھے سے پیچھے کچھ دیکھ رہا تھا۔ لب آدھے کھل گئے تھے۔ بازار میں شور سا مچا تھا۔ منادی کرنے والے نے اعلان کیا۔ گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز آئی۔ سپاہیوں نے بگل بجائے۔ بازار میں بکھرے لوگوں نے سمت

کے دونوں اطراف میں قطاریں بنالیں۔ سر ادب سے جھکالیے۔ راستہ صاف ہو گیا۔
فاتح بن رامزل کسی خواب کی سی کیفیت میں گھوما۔
سامنے سڑک صاف تھی اور اس پہ شاہی سپاہی چمکتی تلواریں لیے چلتے آرہے تھے۔ ان کے پیچھے سنہری اور چاندی رنگ کی بگھی تھی جس کی چھت کھلی تھی۔ ایسے کہ بگھی میں بیٹھی 'شاہزادی' صاف دکھائی دے رہی تھی۔
وقت کا جادو تھا..... یا تاشہ پسونا کا سحر..... وہ بالکل مبہوت رہ گیا.....
سرخ زرتار لباس پہنے..... بالوں کا جوڑا بنائے..... بالوں پہ ہیروں کا تاج سجائے..... بڑی شان سے کہنیاں اطراف میں جمائے' وہ مسکراتی ہوئی قطار میں ہاتھ باندھے کھڑے لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ سرخ لباس بگھی کی سیٹ پہ پھول کی طرح پھیلا تھا۔ منادی کرنے والا اس کے بارے میں لوگوں کو آگاہی دے رہا تھا اور لوگ اشتیاق سے گردنیں اٹھا اٹھا کے' ایڑیاں اونچی کر کے بنداہارا کی سندر بیٹی کو دیکھ رہے تھے۔
اور وان فاتح بالکل ساکت ہوئے کے ایل کی اس بہروپی کو دیکھ رہا تھا جس کو ہر طرح کا بھیس بدلنا آتا تھا۔ وہ پلک تک نہیں جھپک پا رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں حیرت سے زیادہ بے یقینی اور تعجب تھا۔
شہزادی تاشہ نے ہاتھ اٹھا کے اشارہ کیا تو بگھی بان نے بگھی روک دی۔ کسی نے لپک کے دروازہ کھولا۔ کسی نے نیچے پائیدان رکھا۔ وہ اسی شان سے زینے اترتی نیچے آئی۔
لوگ مزید پیچھے ہٹنے لگے۔ تالیہ ٹہلنے والے انداز میں دکانوں کے سامنے سے گزرنے لگی۔ پھر ایک دکان کے چھپر کے قریب رکی۔ ادھر میز پہ بہت سے سرخ سیبوں کا ڈھیر لگا رکھا تھا۔ تالیہ نے سیبوں میں ہاتھ ڈالا..... چند سیب ادھر ادھر ہٹائے اور جب ہاتھ باہر نکالا تو اس میں ایک موٹی سی سنڈی تھی۔

"کیا تم سنڈیوں اور کیڑوں والے سیب لوگوں کو کھلا رہے ہو؟" سنڈی لہرا کے اس نے دکاندار کو دکھائی اور پھر غصے سے نیچے پٹخی۔ دکاندار کا منہ کھل گیا۔ ہجوم میں کئی لوگوں نے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔
"گرفتار کرلو اس دکاندار کو۔ اس کو اپنی لاپروائی کی سزا ملنی چاہیے۔" شہزادی تحکم سے بولی تو سپاہیوں نے جھٹ سے دکاندار کو پکڑا اور اسے گھسیٹتے ہوئے آگے لے گئے۔ وہ بے چارا چیختا چلاتا رہا مگر اس کی کوئی نہیں سن رہا تھا۔
لوگ مزید پیچھے کھسکنے لگے۔ بازار میں ایک خوف کی فضا قائم ہو رہی تھی۔
اور وان فاتح..... وہ بالکل خاموشی سے اس کو دیکھ رہا تھا۔
شہزادی اب سڑک پہ آگے بڑھ رہی تھی۔ ایک ادا سے وہ اپنا انگوٹھیوں سے مزین ہاتھ ریڑھیوں کے کناروں پہ پھیرتی جا رہی تھی۔ دفعتاً وہ ٹھہری۔ دائیں جانب ایک ریڑھی پہ کپڑوں کے تھان رکھے تھے۔ ریڑھی والے نے اسے اپنے پاس رکتے دیکھ کے ہی دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ تالیہ نے دو انگلیوں میں مسل کے کپڑے کو دیکھا۔
"کیا یہ تم چین سے لائے ہو؟"
ریڑھی بان نے جھٹ سر اثبات میں ہلایا۔ "جی!"
"اسے بھی پوچھ گچھ کے لیے محل لے جاؤ۔ میں جاننا چاہتی ہوں یہ دوسرے ملک سے مال برآمد کرنے پہ محصول (ٹیکس) بھی دیتا ہے یا نہیں۔" شہزادی نے ناک سے مکھی اڑانے والے انداز میں کہا تو ریڑھی بان نے گھبرا کے سپاہیوں کو دیکھا۔ وہ بنا کسی تامل کے اس پہ جھپٹے اور اسے کھینچ کے لے گئے۔
"یہ تالیہ ویسے شہزادی کے روپ میں اتنی بری نہیں لگ رہیں۔" ایڈم نے قدرے جوش سے فاتح کے قریب سرگوشی کی۔ (رش کے باعث سب اکٹھے کھڑے ہو گئے تھے..... ایڈم کا اس کے ساتھ

کھڑے ہونا کسی کو قابل توجہ نہیں لگا تھا۔)

''یہ معصوم لوگوں کو کیوں گرفتار کر رہی ہے؟'' وہ دور سے آتی شہزادی کو دیکھ کے ذرا الجھن سے بولا۔

''یقیناً یہ لوگ معصوم نہیں ہوں گے۔ بے شک یہ تالیہ چور ہیں' فراڈ ہیں' مگر اتنا مجھے یقین ہے کہ وہ کسی اچھے اور نیک انسان کو کبھی گرفتار نہیں کروائیں گی۔'' ایڈم نے خلوص سے کہتے ہوئے اسے تسلی دی۔

وہ ہیٹ ذرا اٹھا کے تالیہ کو دیکھتا فخر سے مسکرا رہا تھا۔ اس سے سارے گلے شکوے اس کو اس پر اعتماد روپ میں دیکھ کر ختم ہونے لگے تھے۔

''اس ہیٹ والے آدمی کو بھی گرفتار کر لو۔ یہ گستاخ میری طرف دیکھ کے تمسخرانہ اشارے کر رہا ہے۔'' شہزادی نے تندی سے ایڈم کو دیکھتے ہوئے دور سے اس کی طرف اشارہ کیا تو سپاہی اس جانب لپکے۔ دوسرے لوگوں نے جلدی جلدی راستہ چھوڑا۔

ایڈم بن محمد کا منہ کھل گیا۔ بے اختیار وہ پیچھے ہٹا۔

''مم.... میں نے کیا کیا ہے؟ پے تا.... شہزادی تاشہ.... آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ چھوڑو مجھے.... ارے چھوڑو مجھے۔'' مگر اس کی چیخ و پکار کا سپاہیوں پہ کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اسے دبوچ کے آگے لے گئے۔ ایڈم ان کی گرفت میں مسلسل پھڑ پھڑاتے ہوئے چلا رہا تھا۔ ششدر' حیران' پریشان۔

تالیہ نے گردن اٹھا کے اوپر دہکتے سورج کو دیکھا اور پھر نزاکت سے اپنی پیشانی چھوئی جس پہ پسینے کی نادیدہ بوندیں موجود تھیں۔

''میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ واپس چلو۔'' غلام کو اسی بے نیازی سے حکم دیا اور بگھی کی طرف مڑی۔ مڑتے مڑتے ایک لمحے کو اس نے فاتح کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ شہزادی کو متوجہ پا کر ایک ابرو اٹھائی اور لب بے آواز ہلائے ''سیر یسلی؟''

ملاکہ کی شہزادی نے دور کھڑے اس بدحال 'غلام' پہ نظریں جمائے ادب سے پلکیں جھپکا کے اٹھائیں اور ہونٹوں کو جنبش دی۔ ''توانکو'' (میرے آقا) اور دونوں پہلوؤں سے کامدار لباس اٹھائے بگھی پہ سوار ہو گئی۔

لوگ پھر سے اطراف میں سمٹ کے شاہی قافلے کو راستہ دینے لگے۔

وہ اسی طرح خاموشی سے دور جاتی بگھی کو دیکھے گیا۔

(''وہ اتنی پیاری تھی ڈیڈ کہ وہ کسی پریوں کی وادی سے آئی ہوئی لگتی تھی۔''

''میرا خیال ہے وہ کوئی فراڈ تھی جو کسی دوسرے کی جگہ ناجائز طریقے سے ہتھیانے جا رہی تھی۔''

''ہر کوئی آپ کے ان سیاستدانوں جیسا نہیں ہوتا' ڈیڈ۔''

''میں سچ بولوں بیٹا تو تمہیں برا لگتا ہے۔ مگر وہ کوئی پری نہیں تھی۔''

''پھر وہ شہزادی تھی۔ چاہے آپ مانیں یا نہ مانیں۔'')

اور اب بھی ننھی آریانہ اس کے کان میں سرگوشی کر رہی تھی۔

''وہ شہزادی ہے' ڈیڈ۔ چاہے آپ مانیں یا نہ مانیں۔''

☆☆☆

تالیہ محل کے اندر سبزہ زار پہ آ کے بگھی سے اتری تو دیکھا.... سبزے کے اختتام پہ جہاں سے محل شروع ہوتا تھا' وہاں بیرونی زینے بنے تھے۔ ان کے قدموں میں مسلح سپاہیوں کا ہجوم تھا۔ وہ لباس دونوں پہلوؤں سے اٹھائے' تیز تیز چلتی سامنے آئی تو سپاہیوں نے راستہ چھوڑا۔

زمین پہ ایک پھٹے پرانے لباس والا بدحال آدمی رسیوں سے بندھا' سجدے کی حالت میں پڑا تھا۔ اس کے بال لمبے اور سفیدی مائل تھے۔ چہرے اور بازوؤں پہ تشدد کے صاف نشانات نظر آتے تھے۔

دائیں جانب ایک جلاد کھڑا تھا جس کا چہرہ سیاہ نقاب میں چھپا تھا اور ہاتھ میں تیز دھار چمکتی ہوئی ننگی

تلوار تھی۔ وہ بار بار اوپر محل کے داخلی دروازے کی طرف دیکھتا جہاں دروازے بند تھے۔ گویا وہ سب کسی کے منتظر تھے۔

"کون ہے یہ آدمی؟ اس کو کیوں مارا جا رہا ہے؟" وہ بے یقینی اور اضطراب سے ان سب کو دیکھتی پوچھ رہی تھی۔

اندر اپنے کمرے میں بنداہارا مراد راجہ کھڑا تھا۔ اس کے سامنے کنیز شریفہ ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ مراد کمر پہ ایک ہاتھ رکھے' سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"کیا تم میری بیٹی پہ نظر رکھ رہی ہو؟"

"جی' راجہ۔" اس نے سر کو گہرا خم دے کر نظریں اٹھائیں۔ "شہزادی کی ہر حرکت پہ میری نظر ہے اور میں اس کی خبر آپ کو دیتی رہوں گی۔ ابھی ابھی شہزادی بازار سے واپس آئی ہیں۔ میں قافلے سے آگے تھی اس لیے جلدی پہنچ گئی۔ بازار میں...." وہ تذبذب سے رکی۔

"بازار میں کیا؟" وہ سپاٹ سا بولا۔

"شہزادی کافی نازک طبع واقع ہوئی ہیں۔ انہوں نے کھڑے کھڑے معمولی باتوں پہ تین راہگیروں اور دکانداروں کو گرفتار کر کے شاہی قید خانے میں ڈلوادیا ہے۔"

"کیسی باتوں پہ؟" اس نے سوچتے ہوئے ابرو اٹھائی۔

"میں وہیں موجود تھی۔ کوئی خاص بات نہ تھی۔ کسی کو محصول نہ دینے' کسی کو صفائی کا خیال نہ رکھنے پہ گرفتار کیا ہے اور ایک کو تو صرف اس بات پہ کہ اس نے شہزادی کی طرف دیکھ کے اشارہ کیا ہے۔ شہزادی شاید صرف ان لوگوں کو اذیت دینا چاہتی تھیں۔"

"اونہوں۔ وہ مجھے تنگ کرنا چاہتی ہے تاکہ میں اسے واپس بھیج دوں۔" وہ سوچ میں ڈوبا بولا۔ شریفہ چونکی۔

"واپس کہاں؟ چین؟"

مراد نے چونک کے اسے دیکھا' اور سر جھٹکا۔ "ہاں۔ چین۔ اب تم جاؤ اور اس پہ نظر رکھو۔ اس کی ایک ایک حرکت کی خبر مجھے ہونی چاہیے۔"

"راجہ...." وہ ڈرتے ڈرتے نظریں جھکائے بولی۔ "شہزادی آپ کی صاحبزادی ہیں۔ کیا آپ کو ان سے.... کسی قسم کا کوئی.... خطرہ ہے؟ یا کوئی....؟" اس نے فقرہ ادھورا چھوڑ کے تھوک نگلا۔

مراد راجہ قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا۔ شریفہ کا دل زور سے دھڑکا۔ سر مزید جھکا لیا۔

"نیچے دالان میں ایک آدمی جلاد کے ہاتھوں اپنی موت کا انتظار کر رہا ہے۔ جانتی ہو اس کا جرم کیا تھا؟"

شریفہ نے نظریں مزید نیچے کر لیں اور کپکپاتی آواز میں بولی۔ "کیا؟"

"وہ میرے ہر کام کی ٹوہ رکھتا تھا۔"

"مجھے معاف کر دیجیے' راجہ۔" وہ ایک دم جھکی اور راجہ مراد کے جوتوں پہ دونوں ہاتھ رکھ دیے۔ "میری جان لے لیجیے۔ آئندہ آپ میرے لبوں سے کوئی سوال نہیں سنیں گے۔"

مراد نے کوفت سے پیر ہٹایا اور آگے بڑھ گیا۔ جب وہ محل سے نکلا اور بیرونی زینے اترنے لگا تو اس کی شاہی پوشاک زمین کو چھو رہی تھی اور بازو کمر پہ بندھے تھے۔

نیچے جلاد کے قریب تالیہ کھڑی تھی۔

"بابا...." اسے دیکھتے ہی بے چینی سے زینے چڑھتی اوپر آئی۔ "یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ یہ آدمی پرانے بنداہارا کا تانی ژیان (غلام) ہے۔ کیا آپ اس کو اس لیے سزا دے رہے ہیں کیونکہ...." آواز دھیمی کی۔ "کیونکہ یہ آپ کے مخالف کا آدمی تھا؟ یا واقعی اس نے کوئی ناقابلِ تلافی جرم بھی کیا ہے؟"

تالیہ اس سے تین زینے نیچے کھڑی تھی۔ اس لیے راجہ کو دیکھنے کے لیے گردن پوری اٹھائے ہوئے تھی۔

"اور اگر اس نے کوئی جرم نہیں کیا سوائے جنگی

www.urdusoftbooks.com

جرائم کے تو آپ اس کو معزول کر کے جلا وطن کر دیں۔ یہ آپ کی سلطنت میں کبھی دوبارہ داخل نہیں ہو سکے گا۔ لیکن کیا اس کو مارنا ضروری ہے؟"

راجہ مراد نے اپنا ہاتھ کمر کے پیچھے سے نکالا اور ہتھیلی پھیلائی۔ تالیہ نے نازک انگوٹھیوں سے مزین اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے نیچے اترنے لگا۔

سیڑھیوں کے ..... آخر میں کھڑے سپاہی منتظر سے راجہ کو دیکھ رہے تھے۔ وہ دونوں نیچے اتر آئے تو راجہ اس کو ساتھ لیے آگے چلا گیا۔ سپاہی پیچھے رہ گئے۔ وہ دونوں گھاس کنارے بنی پتھریلی روش پہ آگے بڑھتے گئے۔

دفعتاً راجہ ٹھہرا اور پورا اس کی طرف گھوما۔ تالیہ کا ہاتھ ہنوز اس کے ہاتھ میں تھا۔

"تاشہ....." وہ نظریں اس پہ جمائے نرمی سے پوچھنے لگا۔ "تم اپنی اس دنیا میں سب سے زیادہ کس چیز کے پیچھے بھاگی تھیں؟"

"دولت کے!" وہ بنا پلک جھپکے اس کی گہری آنکھوں میں دیکھ کے بولی۔

"اور کیا تم اس دولت کو حاصل کر پائیں؟"

اس کی نگاہوں کے سامنے حالم کا بنگلہ، قیمتی لباس اور زیور گھوم گئے تو اس نے سر ہلا دیا۔

"کسی حد تک۔ جی ہاں۔"

"اور کیا تم وہ ساری دولت دنیا کو دکھا پائیں یا تم نے اس کا ایک بڑا حصہ چھپا دیا؟ صندوقوں میں؟ زمین میں؟ دور دراز جزیروں پہ؟ جیسے ہماری دنیا میں چھپایا جاتا ہے۔"

مراد نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی تھام لیا تھا۔ بنا پلک جھپکے اب وہ تالیہ کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ اس کے ہاتھ سرد تھے مگر تالیہ کے گرم تھے۔

"جی۔ چھپا دیا تھا۔" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ (حالم کے مکان کے تہ خانے میں چھپائی گئی پینٹنگز اور نوادرات۔ بینکوں میں رکھا گیا پیسہ۔ اسے سب یاد آ گیا۔) "میں نے تقریباً سب کچھ ہی چھپا دیا۔"

"کیونکہ دولت چھپانے سے محفوظ رہتی ہے مگر طاقت دکھانے سے بڑھتی ہے۔ تم دولت کی تمنا کرتی ہو۔ میں طاقت کی کرتا ہوں۔ تب ہی تو دولت چھوڑ کے الور سونگائی جا بسا تھا۔ کیونکہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتیں۔ جب دولت ملے تو صرف دولت ملتی ہے۔ مگر جب طاقت ملے تو دولت خود بخود کھنچی چلی آتی ہے۔ اس لیے طاقت چھپا کے نہیں رکھی جاتی۔ اس کو دکھانا ضروری ہوتا ہے۔ اور یہ آدمی....." تالیہ کی آنکھوں پہ نظریں جمائے ابرو سے قیدی کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ ایک آدمی نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک 'قربانی' ہے۔ اس کی موت ظلم نہیں ہے' بلکہ ایک پیغام ہے۔ جب نیا حکمران کسی علاقے میں آتا ہے تو وہ ایک بستی کو تباہ ضرور کرتا ہے تاکہ ساری سلطنت میں ایک پیغام چلا جائے کہ حکمران.... بدل چکا ہے۔ اور وہ کسی کو رعایت نہیں دے گا۔ مجھے افسوس ہے اس تائی ژیان کے لیے مگر اس کو چھوڑ دینے سے میں دنیا کو کیا پیغام دوں گا؟ کہ راجہ مراد ایک پھانسی چڑھے بنداہارا کے خاص غلام کو مار تک نہیں سکا؟ کیا راجہ مراد اتنا کمزور نکلا؟ چڑیا کے دل جیسا کمزور؟" وہ تعجب سے پوچھ رہا تھا۔ اس کے ٹھنڈے ہاتھوں میں تالیہ کے ہاتھ مقید تھے اور وہ یک ٹک اس کو دیکھ رہی تھی۔ سارے الفاظ ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

"طاقت دولت کی طرح چھپانے والی چیز نہیں ہے۔ یہ مظاہرے سے بڑھتی ہے۔ مضبوط ہوتی ہے۔ اور یہ آدمی صرف ایک پیغام ہے۔ کہ اس ملک پہ حکمرانی کرنے والا چہرہ بدل چکا ہے۔ دھاک بٹھانے کے لئے ایسے پیغام دینے پڑتے ہیں۔"

اس نے تالیہ کا ایک ہاتھ چھوڑ دیا' اور دوسرا تھامے واپس قدم بڑھا دیے۔ وہ بالکل گم صم سی اس کے ساتھ چلی آئی۔ یہاں تک کہ وہ دونوں اس قیدی کے قریب آ رکے۔

سجدے میں جھکے' رسیوں سے بندھے قیدی

نے اپنا چہرہ اٹھایا اور آنکھیں چندھیا کے راجہ مراد کو دیکھا۔

''ایک دن یہ وقت تم پہ بھی آئے گا' مراد راجہ ڈرو اس وقت سے....'' وہ غم و غصے سے اونچی آواز میں بولا تھا۔

راجہ مراد نے کمر پہ دونوں ہاتھ باندھ لیے اور گردن جھکا کے سر سے پیر تک اس کا جائزہ لیا۔

''تمہاری کوئی آخری خواہش؟''

قیدی نے گہری سانس لی اور قدرے سیدھا ہو کے بیٹھا۔ پھر گردن اکڑائی اور ذرا ٹھہرے ہوئے انداز میں کہنے لگا۔

''میری آخری خواہش یہ ہے کہ میرے دونوں بیٹوں اور میری بیوی کو....''

راجہ مراد نے ایک دم قریبی سپاہی کے نیام سے تلوار کھینچی اور ایک ہی وار میں قیدی کی گردن پہ پھیر دی۔

اس کے الفاظ ٹوٹ گئے۔ گردن سے لکیر کی صورت خون نکلا۔ ساتھ ہی چہرے پہ شاک اور خوف ابھرا۔ پھر لبوں سے خون باہر کو چھلکا۔

گردن سے چند چھینٹے تالیہ کے چہرے پہ گرے۔ اس کی آنکھیں مارے شاک کے پوری کھل گئیں۔ وہ بے اختیار پیچھے ہٹی۔

اگلے لمحے.... قیدی بیٹھے بیٹھے منہ کے بل زمین پہ گر گیا۔

خاک کا جسم خاک میں جاملا۔

مراد راجہ نے استعجاب سے ابرو اچکا کے اپنے پیروں میں گٹھڑی صورت پڑی نعش کو دیکھا۔

''کیا اسے واقعی لگا تھا کہ مجھے اس کی آخری خواہش سننے میں دلچسپی ہے؟''

پھر اس نے اپنے لباس سے رومال کھینچ اتارا اور تلوار پہ شروع سے آخر تک پھیرا۔ رومال نے خون صاف کر دیا۔ تلوار کی چمک لوٹ آئی۔ اس نے تلوار سپاہی کی طرف اچھال دی۔

''اس کی گردن اتار کے چوک میں لٹکا دو اور لوگوں میں منادی کرا دو کہ سلطان مرسل شاہ کے بنداہارا کے خلاف سازشیں کرنے والوں کا ایسا انجام ہوتا ہے۔'' کہہ کے وہ مڑا۔ ہاتھ پیچھے باندھ لیے اور زینے چڑھنے لگا۔

تالیہ ابھی تک ہکا بکا کھڑی تھی۔ چہرہ سفید پڑ رہا تھا اور گالوں پہ خون کے چھینٹے نظر آرہے تھے۔

☆☆☆

ملاکہ کے بازار پہ سہ پہر ڈھل رہی تھی۔ مزدور ابھی تک زیر تعمیر حویلی پہ کام میں مصروف تھے۔ بھوکے پیاسے' تھکے ہارے' وہ نڈھال سے ایک ایک شے اٹھا کے مطلوبہ جگہوں پہ فراہم کر رہے تھے۔ فاتح ایک ریڑھی پہ لکڑیاں لادے' زنجیروں کے باعث بدقت اس کو دھکیلتا آگے بڑھ رہا تھا۔ بار بار آستین سے پیشانی کا پسینہ بھی پونچھتا۔ پھر دانت پہ دانت جمائے ضبط سے اسے آگے دھکیلنے لگتا۔

دفعتاً کسی نے اس کا کندھا تھپتھپایا تو وہ ذرا چونک کے گھوما۔

سامنے دو پہرے دار کھڑے تھے۔ ایک وہی تھا جو صبح کھانا دینے آتا تھا۔ دوسرا کوئی اور تھا۔

''کیا؟'' اس نے کندھے اچکا کے پوچھا۔

جواب میں پہرے دار دونوں ہاتھوں کے اشارے سے اسے کچھ سمجھانے لگا۔ فاتح نے آنکھیں چندھیا کے باری باری دونوں کو دیکھا۔

''تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ آؤں؟''

اشارے سے تصدیق چاہی۔ پہرے دار نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اچھا۔ چلو۔'' فاتح نے گردن کو جنبش دی اور ریڑھی کو ذرا دھکیل کے ایک طرف کھڑا کرنے لگا۔ ایسا کرتے ہوئے اس نے ریڑھی پہ رکھی لکڑیوں میں سے ایک نوکیلا تیز لکڑی کا ٹکڑا اٹھا کے مٹھی میں دبا لیا اور پھر ان کے ہمراہ چلنے لگا۔

وہ دونوں اسے واپس احاطے میں لے آئے۔ اس نے سختی سے نوکیلا ٹکڑا مٹھی میں بھینچ رکھا تھا۔ جسم کا رواں رواں چوکنا تھا۔ اب کسی نے اسے نقصان

پہنچانے کی کوشش کی تو وہ اس کو ان کے اندر اتارنے سے دریغ نہیں کرے گا۔
احاطے کا اندرونی دروازہ کھول کے وہ ایک راہداری میں آگے بڑھتے گئے۔ وان فاتح کے اعصاب تن رہے تھے۔ وہ بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ مگر رکا نہیں۔ ان کے ساتھ چلتا گیا۔ ایک کے بعد دوسری راہداری۔ یہ حویلی کا اندرونی حصہ تھا اور کافی خوبصورت تھا۔ دیواروں میں بنے خانوں میں چینی کے خوبصورت برتن سجے تھے۔ چھت سے جلتے ہوئے فانوس لٹک رہے تھے۔ وہ اطراف کا سرسری جائزہ لیتا آگے بڑھتا گیا۔
وہ اسے ایک بڑے کمرے میں لے آئے۔ مستطیل کمرہ جو بہت وسیع تھا۔ وہ استعجاب سے گردن گھما گھما کے دیکھنے لگا۔ مٹھی میں بھنچے لکڑی کے ٹکڑے پہ گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔
وہاں لکڑی کی اونچی لمبی میزیں بچھی تھیں۔ چولہے بنے تھے۔ ٹوکریوں میں سبزیاں رکھی تھیں۔ پکوان چڑھے تھے۔ اشتہا انگیز خوشبو۔ دھواں۔
یہ یقیناً اس حویلی کا باورچی خانہ تھا۔
"یہ ساتھ والا کمرہ تمہارا ہے۔ اور یہ لباس تم آج سے پہن کے کام کرو گے۔" پہرے دار نے ایک تہ شدہ لباس اس کی طرف بڑھایا تو وہ چونکا۔ لکڑی کا ٹکڑا آہستہ سے پہلو میں گرا دیا اور پھر احتیاط سے لباس تھام لیا۔ باورچی خانے میں موجود تمام لوگ اس طرح کے سرمئی لباس میں ملبوس تھے۔ پاجامہ اور ڈھیلی سی لمبی قمیص۔ وہ سب ہاتھ روک کے اس کو دیکھنے لگے۔
ایک سفید بالوں والا آدمی قریب آیا اور اپنی زبان میں پہرے دار سے کچھ پوچھا۔ پہرے دار نے جواباً کچھ بتایا اور پھر فاتح کی کلائیوں کی زنجیر چابی سے کھولنے لگا۔ پھر اس نے اس کے پیر آزاد کیے۔ ان کا کام ختم ہوا۔ وہ فاتح کو اس بوڑھے کے حوالے کر کے چلے گئے۔
بوڑھا اسے اپنے ساتھ ایک اور کمرے میں لے آیا جہاں حمام تھا۔
بھاپ اڑاتا پانی۔ صاف کپڑے۔ صندل کی خوشبو لیے ٹکیاں۔
کچھ دیر بعد وہ دوبارہ باورچی خانے میں داخل ہوا تو اس کے گیلے بال پیچھے کو سمٹ چکے تھے اور سرمئی پاجامے قمیص میں وہ تر و تازہ اور نکھرا ہوا لگ رہا تھا۔ بوڑھے نے فوراً ایک پیالہ اس کی طرف بڑھایا۔ فاتح نے اسے تھام لیا تو دیکھا' اندر سوپ تھا جس میں گوشت کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ اس نے بے اختیار دوسرے کارکنوں کو دیکھا جو اب چوکیوں پہ بیٹھے اپنا کھانا کھا رہے تھے۔ ان کے پیالے اس سے چھوٹے تھے اور ان میں جھلکتا سوپ پتلا تھا اور کم بھی۔
بوڑھے نے اشارہ کیا تو وہ ایک لکڑی کے اسٹول پہ بیٹھا اور پیالہ لبوں سے لگایا۔ لذیذ سوپ اندر تک اتر کے جسم میں توانائی بھرتا گیا۔ گھونٹ بھر کے فاتح نے یوں ہی کھڑکی کو دیکھا تو عقبی طرف باغیچہ سا نظر آ رہا تھا جس میں دنبے اور بکرے بندھے کھڑے تھے۔ قطار میں بندھے پہلے بکرے کو ایک آدمی جھک کے گھاس کھلا رہا تھا۔
ہری ہری ڈھیر ساری گھاس.... اس آدمی کی پشت فاتح کی طرف تھی۔ بکرا نہیں دیکھ سکتا تھا کہ اس کی پشت پہ ایک تیز دھار ٹوکا بندھا تھا۔ ایسا ٹوکا جس سے بکرے کو بہ آسانی ذبح کیا جا سکتا تھا۔ وان فاتح نے ایک نظر اس کے آگے ڈالے گئے گھاس پہ ڈالی اور دوسری اپنے پیالے میں تیرتے ابلے گوشت کے ٹکڑوں کو۔
اس کا دل ایک دم کھانے سے بیزار ہونے لگا۔ وہ بے دلی سے پیالہ واپس رکھ دینا چاہتا تھا مگر..... کسی بھی وجہ سے رزق سے منہ نہیں موڑتے۔ رزق اللہ بھیجتا ہے۔ وہ جبراً سوپ پینے لگا۔

☆☆☆

محل کے گنبد دھوپ میں پگھل رہے تھے۔ کھلی کھڑکیوں کے باعث اندر بھی سارے میں روشنی پھیلی تھی مگر تہ خانے میں جاتی گول گول سیڑھیوں

سے نیچے جاؤ تو وہاں بنی جیل تاریک پڑی تھی۔ دیوار پہ مشعلیں روشن تھیں جن سے اتنا نظر آتا تھا کہ بڑے سے کمرے میں دو اطراف میں کوٹھڑیاں بنی ہیں جن کے سلاخ دار دروازے ہیں اور درمیان میں گزرنے کا راستہ ہے۔

ایسی ہی ایک کوٹھڑی میں بیڑیوں سے بندھا ایڈم موجود تھا۔ زمین پہ اکڑوں بیٹھے' ہاتھوں میں سر گرائے' وہ حیران پریشان سا لگ رہا تھا۔ بار بار پیشانی پہ بل آتے' کبھی آنکھوں میں غصہ در آتا' اور کبھی مضطرب ہو جاتا۔ سارا دن گزر گیا' نہ کچھ کھانے کو ملا نہ کوئی حال پوچھنے آیا۔ باقی دونوں قیدی جو اس کے ساتھ کوٹھڑی میں بند تھے' مسلسل آہ و بکا کر رہے تھے۔ وہ بھی بار بار اپنا قصور پوچھے جا رہا تھا مگر پہرے داروں کے کانوں پہ جوں تک نہ رینگتی تھی۔

اوپر محل کی بارہ دریوں سے گزر کے شہزادی تاشہ کی خواب گاہ میں آؤ تو کھڑکیوں کے ریشمی پردے ہٹے ہوئے تھے اور ڈھلتے سورج کی دم توڑتی روشنی اندر جھانک رہی تھی۔

تالیہ اسی زرتار لباس میں ملبوس' بے چینی سے دائیں بائیں ٹہل رہی تھی۔ کنیز شریفہ ہاتھ باندھے سامنے کھڑی تھی۔ نظریں دائیں سے بائیں گھماتی وہ تالیہ کو ٹہلتے دیکھ رہی تھی۔

"آپ پریشان ہیں' شہزادی!"

"صرف پریشان؟" وہ رکی اور بگڑ کے اسے دیکھا۔ "میں بہت زیادہ پریشان ہوں شریفہ! میرے سامنے میرے بابا نے ایک شخص کی گردن مار دی۔ (اس نے ہتھیلی کی پشت سے گال رگڑا جسے وہ کتنی ہی دفعہ دھو چکی تھی) مجھے کیا معلوم تھا کہ یہاں قیدیوں کے ساتھ یہ سلوک ہوتا ہے اور مجھے دیکھو... میں بھرے بازار سے تین دکانداروں کو گرفتار کروالائی' اور اب میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ ان کے ساتھ کیا کروں۔" وہ قریباً روہانسی ہو گئی تھی۔

"شہزادی! جب بھی کوئی قیدی گرفتار ہو کے آتا ہے تو بنداہارا اس کو سزا سنا دیتے ہیں یا اگر ان کے مزاج اچھا ہو تو اسے معاف کر دیا جاتا ہے۔" شریفہ محل میں عرصے سے کام کر رہی تھی۔ پانچ دن پہلے آنے والے نئے بنداہارا سے عہدہ وفا کرنے سے پہلے وہ پچھلے بنداہارا کی کنیز بھی رہی تھی۔ "آپ ان کو معاف کر سکتی ہیں' یا سزا سنا سکتی ہیں۔"

"معاف کرنے سے تو میں کمزور لگوں گی۔ ہرگز نہیں۔" اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ پھر پلنگ کے کنارے پہ بیٹھی اور دونوں ہتھیلیوں سے دائیں بائیں پلنگ کی ریشمی چادر کو بھینچ لیا۔ وہ مضطرب بے چین سی لگتی تھی۔

"ان تینوں نے گستاخی کی تھی اور ان کو اس کی کڑی سے کڑی سزا ملنی چاہیے۔"

شریفہ نے گہری سانس لے کر افسوس سے سر جھٹکا۔ شہزادی کا رہا سہا رعب جو کل تک شریفہ نے محسوس کیا تھا' اس کے بچکانہ رویے کے باعث اب اس کے دل سے جانے لگا تھا۔ سو وہ گردن پوری اٹھائے کھل کے بولنے لگی۔ "شہزادی آپ اب ایک قدم اٹھا چکی ہیں۔ اب آپ کو شرمندگی سے بچنے کے لیے اس پہ قائم رہنا چاہیے۔"

"شرمندگی؟"

"شہزادی یان سوفو کو جانتی ہیں آپ؟ وہ چینی بادشاہ کی صاحبزادی ہیں۔ چند ماہ قبل وہ سلطان مرسل سے شادی کرنے کے لیے اپنے والد کی رضا مندی کے ساتھ ایک بڑے چینی قافلے کے ہمراہ ملاکہ آئی ہیں۔ وہ بوکی چینہ (چینی پہاڑی) والے محل میں قیام پذیر ہیں مگر ان کا اکثر یہاں آنا جانا رہتا ہے۔ یہ چند ماہ ان کی شادی کی تیاریوں میں گزر گئے۔ دو ہفتے بعد ان کی اور سلطان مرسل کی شادی ہے۔ شہزادی یان سوفو نے ان چند ماہ میں اپنے بہت تعلقات بنا لیے ہیں اور وہ سلطان کے فیصلوں پہ اثر انداز بھی ہوتی ہیں۔ انہوں نے ہی الور سونگائی کے لوگوں پہ ظلم ڈھایا اور وہ آپ کے والد کی دشمن ہیں۔ ان کو خبر مل گئی کہ آپ جذباتی فیصلے کرتی ہیں تو وہ آپ کو شرمندہ کرنے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے

www.urdusoftbooks.com

دیں گی۔"

"تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟" تالیہ کے کندھے ڈھیلے پڑے اور رنگت پھیکی پڑ گئی۔

"شہزادی!" وہ سبھاؤ سے سمجھانے لگی۔ "آپ کو قیدیوں کو سزا دینی ہو گی۔"

"سزا....؟ ہاں یہ ٹھیک ہے۔ میں ان کو سخت سے سخت سزا دوں گی۔ ان سے بھاری سے بھاری مشقت کروائی جائے گی۔ یہ ٹھیک رہے گا۔"

"بالکل شہزادی۔ یہ بہترین رہے گا۔"

تالیہ ایک دم کھڑی ہوئی اور جیسے اعتماد کو بحال کرتے ہوئے گردن اکڑا کے بولی۔

"میں.... میں خود اپنے سامنے ان کو سزا سناؤں گی۔ مجھے قید خانے میں لے چلو۔"

"جو آپ کا حکم شہزادی۔" شریفہ نے گہری سانس لے کر تالیہ کے چہرے کو دیکھا جو تائی ثریان کی گردن مار دینے کے بعد سے مرجھایا ہوا تھا' اب کھل اٹھا تھا۔

ایڈم سر جھکائے نڈھال پڑا تھا جب اس نے قریب آتے قدموں کی چاپ سنی۔ وہ چونک کے سیدھا ہوا۔ کونے میں لگی گول سیڑھیوں سے چند افراد نیچے اتر رہے تھے۔ ایڈم تیزی سے کھڑا ہوا۔ اسے سرخ اور سنہری لباس کی جھلک دکھائی دی تھی۔

نیچے آنے والوں میں سب سے آگے تالیہ تھی۔ اس کا لمبا لباس زمین پہ جھاڑو دیے رہا تھا اور وہ ہاتھ باہم پھنسائے بہت شان سے چلتی ہوئی سلاخ دار دروازے تک آئی تھی۔ سر کا تاج نیم اندھیرے میں بھی دمک رہا تھا۔

باقی دونوں قیدی بھی شہزادی کے احترام میں ہاتھ باندھے کھڑے ہو گئے تھے۔

"اتنا تو بتا دیں کہ آپ نے مجھے کیوں پکڑوایا ہے' شہزادی صاحبہ!" ایڈم سلاخوں کو پکڑے روہانسا ہو کے بولا۔ "صبح سے بھوکا پیاسا پڑا ہوں۔ کوئی پوچھنے تک نہیں آیا۔ اچھا فائدہ ہوا ہمیں آپ کے شہزادی ہونے کا۔"

شہزادی نے اچنبھے سے اسے دیکھتے ہوئے ساتھ کھڑے سپاہیوں کو مخاطب کیا۔ "یہ کیا کہہ رہا ہے؟"

"میں خود نہیں سمجھ پا رہا۔" سپاہی نے لاعلمی ظاہر کی۔

ایڈم نے افسوس سے ان دونوں کو دیکھا جو ناسمجھی سے ایڈم کو دیکھتے ہوئے بات کر رہے تھے۔

"آپ کی یہ اداکاری مجھے گراں گزر رہی ہے' بے تالیہ۔ آپ سمجھتی کیا ہیں مجھے؟ میں انسان نہیں ہوں کیا؟ میرے اندر سیل ڈالے جاتے ہیں کیا؟"

وہ کوفت سے سپاہیوں کی طرف گھومی۔ پھر ایڈم نے دیکھا کہ وہ باری باری تینوں کی طرف اشارہ کر کے ان کو ہدایات دے رہی تھی۔ زبان انجان تھی۔ مگر جیسے ہی باقی دونوں قیدیوں نے اس کے الفاظ سنے وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے نیچے کو جھک گئے۔ ایڈم ہیجان میں کھڑا رہ گیا۔ وہ آخر کیا حکم دے رہی تھی؟

تالیہ ان ہی اجنبی نظروں سے اسے دیکھتی سلاخ دار دروازے کے قریب آئی' اور اپنے مرمریں ہاتھ سے ایک سلاخ تھامی۔ پھر قدرے برہمی سے ایڈم کو دیکھ کے اسی انجان زبان میں کچھ بولی جیسے اس کی سرزنش کر رہی ہو اور سنگین نتائج کی دھمکی دے رہی ہو۔

"مجھے کچھ کھانے کو ہی بھجوا دیں' یار۔ وہ پنجرے والے کم از کم کھانا تو اچھا دیتے تھے۔" وہ روہانسا ہو گیا۔ تالیہ نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اور پلٹ گئی۔ اس کی معیت میں سپاہی بھی مڑ گئے اور چند لمحوں میں وہ لوگ جیسے آئے تھے ویسے ہی واپس چلے گئے۔

ایڈم سلاخوں کے قریب آیا اور آہستہ سے اپنا جوتا اس شے کے اوپر رکھا جو تالیہ کے ہاتھوں سے پھسل کے نیچے جا گری تھی۔ وہ چند لمحے دم سادھے وہاں کھڑا رہا پھر جب اسے یقین ہو گیا کہ دوسرے قیدی نڈھال سے واپس بیٹھ گئے ہیں اور پہرے دار اس طرف متوجہ نہیں ہیں تو وہ دھیرے سے وہیں بیٹھتا گیا اور پھر آہستہ سے وہ شے اٹھائی۔

وہ ایک ننھا سا کاغذ کا ٹکڑا تھا۔
ایڈم نے اسے کھولا اور مشعل کی پھڑ پھڑاتی روشنی میں غور سے پڑھا۔ اس پہ انگریزی میں لکھا تھا۔
"مجھے پلان بنانے آتے ہیں، ایڈم مگر تمہیں صرف کتابیں پڑھنا آتی ہیں۔"
ایڈم نے پیغام کو مٹھی میں دبا لیا اور بے چینی سے پہلو بدلا۔
(پتہ تالیہ کے ہر پلان میں مجھ پہ طنز کرنا ضروری ہوتا ہے کیا؟)

☆☆☆

شام ڈھلتے ہی محل کی بیرونی دیوار پہ لگی قندیلیں روشن ہونے لگیں تو سارا محل دور سے جگمگاتا ہوا دکھائی دینے لگا۔
محل کے اندر بہت سے چوکور باغ تھے۔ ایسے ہی ایک باغ کے وسط میں تالاب بنا تھا جس کے اندر سنگِ مرمر کا نیلا فرش بچھا تھا۔ دیواروں پہ جگمگاتی مشعلوں کے باعث تالاب کا پانی جھلملاتا دکھائی دیتا تھا۔
تالاب کے زینوں پہ تالیہ بیٹھی تھی۔ گھٹنوں پہ ٹھوڑی ٹکائے، آنکھیں بند کیے وہ مغموم سی بیٹھی نظر آتی تھی یا شاید بیٹھے بیٹھے سو گئی تھی۔
برآمدے سے شریفہ طشتری اٹھائے گزر رہی تھی۔ تالیہ کو بے خبر پا کے اس نے رفتار تیز کر دی۔
محل کے اندر دیواروں پہ جا بجا قندیلیں اور لالٹینیں لگی ہوئی تھیں۔ کہیں موم بتیوں کے اسٹینڈ تھے۔ چھتوں سے روشن فانوس لٹک رہے تھے۔ یہ زرد روشنی ماحول کو مزید پُرفسوں اور خوابناک بنا رہی تھی۔
شریفہ تیزی سے اوپر آئی اور شہزادی تاشہ کی خواب گاہ کا دروازہ کھولا۔ پہرے داروں کو وہ پہلے ہی بھیج چکی تھی۔
دروازہ بھیڑ کے وہ اندر آئی اور جلدی سے الماری کی طرف بڑھی۔ اس میں بڑے بڑے دراز بنے تھے۔ وہ ایک ایک کو کھولنے لگی۔ شام میں اس نے دیکھا تھا کہ تالیہ نے اس کے آتے ہی کوئی شے جلدی سے گاؤ تکیے کے پیچھے چھپائی تھی۔ وہ کوئی ریشمی گلابی رومال میں بندھی شے تھی جو شریفہ کے ذہن میں کھٹک گئی تھی۔
آخر شہزادی کا راز کیا تھا؟
اس نے بستر کے ساتھ رکھا صندوق کھولا اور چیزیں اوپر تلے کیں۔ کونے میں وہ اسے نظر آ ہی گیا۔ گلابی ریشم میں لپٹا ہوا کوئی بنڈل ہو جیسے۔ شریفہ مسکرائی اور اسے نکال کے چہرے کے سامنے لائی۔
یکدم کمرے میں جلتی قندیل بجھ گئی۔ ایک دم سارے میں اندھیرا چھا گیا۔ شریفہ چونک کے گھومی۔
کھڑکی کے پٹ اچانک سے کھل گئے تھے اور تیز ہوا کے باعث پردے اُڑ رہے تھے۔ آسمان پہ بادل گرج رہے تھے۔ وقفے وقفے سے بجلی بھی چمکتی۔
ہوا نے ہی قندیل بجھائی تھی۔
شریفہ قندیل جلانے آگے بڑھی، مگر اسی پل بجلی چمکی تو سامنے کوئی ہیولہ سا نظر آیا۔ وہ بالکل ساکت رہ گئی۔ اندھیرا دوبارہ چھا گیا۔
کنیز ریشمی رومال میں لپٹی شے سینے سے لگائے ایک قدم پیچھے ہٹی۔ دل زور سے دھڑکا۔
"کل رات کیا ہوا تھا شریفہ؟" بجلی دوبارہ چمکی تو پل بھر کو کمرہ روشن ہوا۔
کھڑکی کے سامنے وہ کھڑی تھی۔ اس کے کھلے سنہری بال ہوا سے پیچھے اڑ رہے تھے۔ آنکھیں شریفہ پہ جمی تھیں۔ اور آواز.... یہ وہ آواز نہیں تھی جس میں وہ دو دن سے اس سے بات کرتی آ رہی تھی۔
یہ تو لگتا تھا جیسے کوئی اور عورت ہے۔
"کل رات تمہیں یاد ہے کیا ہوا تھا شریفہ؟"
نیم اندھیرے میں وہ سرخ لباس کو دونوں پہلوؤں سے اٹھائے قدم قدم آگے بڑھ رہی تھی۔ شریفہ خوف سے پیچھے ہونے لگی۔
"تم رات کے دوسرے پہر کسی کھٹکے سے اٹھی تھیں۔ تم نے اپنے کمرے میں کوئی آہٹ سنی تھی۔ یاد ہے؟ تم نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر بلی کی آواز آئی تو تم مطمئن ہو گئیں۔" تالیہ بنا پلک جھپکے اسے دیکھتی

آگے بڑھ رہی تھی۔ شریفہ پیچھے ہوتی جا رہی تھی یہاں تک کہ اس کی کمر دیوار سے ٹکرائی۔

"تم دوبارہ سو گئیں۔ پھر تم نے کوئی آہٹ نہیں سنی کیونکہ بلی کوئی آہٹ پیدا ہی نہیں کرتی۔ وہ دبے قدموں آتی ہے۔ سانس بھی نہیں لیتی۔ آہستہ آہستہ.... وہ تمہاری موجودگی میں...." بجلی کڑکی تو کمرہ روشن ہوا اور کھلے بالوں والی حسین شہزادی نظر آئی۔ اس کی تیز نظریں اور وہ آنکھیں.... شریفہ کا خون منجمد ہونے لگا۔

"تمہاری موجودگی میں وہ تمہارے سارے سامان کی تلاشی لے لیتی ہے مگر سانس لینے کی آواز بھی نہیں نکالتی۔ اور اسی خاموشی سے واپس چلی جاتی ہے۔ مگر اس شے کے ساتھ۔"

"شہزادی' میں آپ کے کمرے میں صرف صفائی کے لیے ....." اس نے کہنا چاہا' مگر پھر تالیہ کے الفاظ پہ چونکی۔ کرنٹ کھا کے اپنے ہاتھوں میں موجود شے کو دیکھا۔ "جی؟"

"اسے کھول کے تو دیکھو کہ یہ کیا ہے؟"

باہر وقفے وقفے سے بجلی چمک رہی تھی۔ بارش کی بوندیں تڑتڑ برسنے لگی تھیں۔ ایسے میں شہزادی عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتی قندیل کے پاس رکی اور دیا سلائی لگا کے اسے آنچ دکھائی۔ شعلہ سا بھڑکا اور سارا کمرہ روشن ہو گیا۔

شریفہ نے تیزی سے رومال اتارا۔ اندر چند کاغذ سیدھے رکھے تھے۔ وہ دراصل کاغذات کا ایک بنڈل تھا۔

شہزادی آگے بڑھی اور کھڑکی بند کر دی۔ پھر پردے جھٹکے سے برابر کیے۔ ہوا کا راستہ رک گیا۔ بارش کی تڑتڑاہٹ ختم ہو گئی۔ اب صرف زرد روشن کمرہ تھا اور شریفہ جو ان کاغذوں کو کھول کے دیکھ رہی تھی۔ پہلے صفحے پہ نگاہ دوڑائی تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ بے یقینی سے چہرہ اٹھا کے تالیہ کو دیکھا جو گردن اٹھائے' شان سے مسکرا رہی تھی۔

"یہ تمہارے خطوط ہیں۔ جو تمہارے نام لکھے ہیں کسی نے۔ بھلا کس نے؟" شہزادی۔ لمحے بھر کو رُکی۔ "سابق بنداہارا کی فوج کے جرنیل بھوپالن نے۔ وہ پہلے اسی محل میں رہتا تھا۔ تم سے محبت بھی کرتا تھا' مگر اب وہ تمہیں خط لکھ کے مراد راجہ کی فوج اور اس کے رازوں کے بارے میں سوال کرتا رہتا ہے۔ وہ مفرور ہے اور میرے بابا کے آدمی اس کی تلاش میں ساری سلطنت میں بھاگ دوڑ کر رہے ہیں لیکن اس کو ڈھونڈ نہیں پا رہے۔ کیا ان کو معلوم ہے کہ وہ تم سے رابطے میں ہے؟"

خطوط شریفہ کے ہاتھ سے پھسل گئے۔ وہ ایک دم دوڑتی ہوئی آئی اور تالیہ بنتِ مراد کے قدموں میں گر گئی۔ "شہزادی میری جان لے لیجیے' مگر خدارا میرا یقین کریں۔ میں نے اس کو کبھی کوئی راز نہیں بتایا۔"

تالیہ تیزی سے جھکی اور جھٹکے سے اسے کندھے سے دبوچ کر اوپر کھڑا کیا۔

"جان لے لوں گی تمہاری اگر تم دوبارہ میرے قدموں میں گریں۔ میرے سامنے ایک انسان کی طرح کھڑے ہو کے بات کیا کرو شریفہ! یوں جانوروں کی طرح قدموں میں نہ گرا کرو!" وہ غصے سے غرّائی تو شریفہ ہاتھ باندھے سیدھی کھڑی ہو گئی۔ اس کا چہرہ خوف اور گھبراہٹ سے سفید پڑ چکا تھا۔

"شہزادی.... میں قسم کھاتی ہوں میں نے اسے کچھ نہیں بتایا۔"

"میں جانتی ہوں...." تالیہ نے جھٹکے سے اسے چھوڑا اور گہری سانس بھری۔ "جو خط تم نے اسے کل لکھا تھا اور ابھی بھیجا نہیں تھا' وہ میں نے پڑھ کے واپس رکھ دیا تھا۔ تم اسے کچھ نہیں بتاتیں۔ میں جانتی ہوں۔ کیونکہ تمہیں محل کا عیش و آرام پسند ہے۔ تم اس سے صرف محبت بھری باتیں کرنا چاہتی ہو مگر وہ صرف تم سے دفاعی حکمت عملی کے رازوں کے بارے میں جاننے کے لئے رابطہ رکھتا ہے۔ البتہ...." وقفہ دیا.... "کوئی صرف اس کے خط پڑھے تو وہ یہی سمجھے گا کہ یہ رازوں کی تجارت دو طرفہ ہے۔"

شریفہ نے گھبرا کے نفی میں سر ہلایا۔ "خدارا

راجہ کو مت بتائیے گا۔ آپ جو کہیں گی میں کروں گی۔ خدا کے لیے شہزادی! مجھے معاف کر دیں۔ بدلے میں آپ مجھ سے جو چاہے کروا لیں۔"

تالیہ نے نزاکت سے چہرے پہ آئی سنہری لٹ پیچھے کی۔ "تمہاری باتیں مجھے اچھی لگ رہی ہیں۔ مگر یہ تم دل سے نہیں کہہ رہیں۔ تم اندر ہی اندر یہ سوچ رہی ہو کہ صبح ہوتے ہی تم یہ خط میرے کمرے سے چرا لو گی اور دوبارہ سے میرے باپ کے ساتھ مل جاؤ گی۔ ہے نا؟"

"شہزادی! میں....."

"تمہیں کیا لگتا ہے بے وقوف! میں نہیں دیکھ رہی کہ تم کس کس وقت میرے بابا سے مل کے آئی ہو اور ان کو میری ہر بات کی خبر دیتی ہو؟ چھپ کے کسی کی نقل و حرکت پہ نظر رکھنے کے کام میں تم مجھ سے اچھی نہیں ہو سکتیں۔ تم ابھی تاشہ بنتِ مراد کو جانتی نہیں ہو۔"

شریفہ نے خفت سے آنکھیں جھکا دیں۔ شہزادی آگے بڑھی اور نیچے گرا بنڈل اٹھایا، پھر واپس صندوق تک گئی اور اسے اندر ڈال کے بے نیازی سے ڈھکن گرا دیا۔ پھر اسی شان سے واپس گھومی۔

"یہ خط اب اسی جگہ رہیں گے، اور تم چاہو تو ان کو واپس چرا سکتی ہو، لیکن بات یہ ہے شریفہ کہ تاشہ بنتِ مراد کا کوئی کچھ بھی نہیں چرا سکتا۔ کیونکہ....." وہ پلنگ تک آئی اور تکیے تلے سے ایک بنڈل نکالا۔ پھر اوپری کاغذ اٹھا کے شریفہ کے سامنے لہرایا۔

"کیونکہ تاشہ صرف شہزادی نہیں ہے۔ وہ ایک ساحرہ بھی ہے، جسے دنیا کا ہر کام آتا ہے۔"

شریفہ نے چہرہ اٹھا کے اس کاغذ کو دیکھا اور جیسے جیسے وہ پڑھتی گئی اس کی آنکھیں حیرت اور الجھن سے پھیلتی گئیں۔

"یہ اس جرنیل کا خط ہے شریفہ، اور اس پہ اس کی مہر بھی لگی ہے اور اس میں وہ تمہاری راجہ مراد کے خلاف مدد پہ تمہارا شکریہ ادا کر رہا ہے۔"

"یہ خط..... یہ خط تو میں نے کبھی نہیں پڑھا۔"

"درست۔ کیونکہ اس نے یہ خط تمہیں کبھی نہیں لکھا۔ یہ خط میں نے لکھا ہے۔ اس کی لکھائی میں۔ اس کی مہر لگا کے۔ چند منٹوں میں میں نے ایک پورا خط لکھ لیا۔ نقول تیار کرنا میرے لیے بہت آسان ہے، شریفہ۔"

کنیز نے حیرت، الجھن اور خوف سے اسے دیکھا۔ ہاتھ پھر سے جوڑ لیے۔ "شہزادی میں کچھ سمجھ نہیں پا رہی۔"

"جس دن یہ خط میرے صندوق سے غائب ہوئے نا، اس دن میں اس طرح کے پچاس نئے خط بنا کے راجہ مراد کو دکھا دوں گی۔ جرنیل کی خفیہ مہر اور لکھائی وہ پہچانتے ہیں اور میں ان خطوط میں وہ وہ باتیں لکھوں گی کہ راجہ تمہاری گردن ایک لمحے میں اتار دیں گے۔"

کہہ کے اس نے جعلی خط زور سے بستر پہ پھینکے۔ شریفہ کو خوف سے جھٹکا سا آیا۔

"میں تاشہ پسونا ہوں اور جو چیز ایک دفعہ دیکھ لوں، وہ مجھے نہیں بھولتی۔ میرے دماغ سے تم ان خطوط کو....." اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے، اس نے کنپٹی پہ انگلی سے دستک دی۔ "کبھی نہیں چرا سکتیں۔"

"شہزادی!" شریفہ کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔ اس نے ہاتھ جوڑ کے چہرہ جھکا دیا۔

"میں آج سے آپ کی غلام ہوں۔ راجہ نے مجھے آپ کی جاسوسی کرنے کا کہا تھا اور میں یہ صرف اس لیے کر رہی تھی کیونکہ میں ان کی غلام تھی مگر آج سے مجھ پہ سب سے پہلا حق آپ کا ہے۔ میں آپ کے لیے وہ سب بھی کروں گی جو میں کسی اور کے لیے نہیں کرتی۔ بس مجھے معاف کر دیجیے شہزادی۔" وہ دوبارہ جھکنے لگی مگر تالیہ کی تنبیہ یاد آ گئی۔ سو ہاتھ باندھے کھڑی رہی۔

تالیہ مسہری تک آئی، ایک شان سے لباس پھیلا کے اس پہ بیٹھی، اور ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ پھر گالوں پہ جھومتی سنہری لٹ دو انگلیوں کے درمیان سے گزارتے ہوئے گویا ہوئی۔

''تم آج سے نہ صرف میری کنیز ہو بلکہ تم اس محل میں میری آنکھیں اور میرے کان ہو گی۔ تم میرا ہر حکم بلا چوں چراں مانو گی۔ تم میرے لیے ہر وہ کام کرو گی جو میں تمہیں کہوں گی۔ اس کے بدلے میں میں تمہیں اچھا مال اور اچھی خوراک دوں گی۔ اور سب سے بڑھ کے میں تمہیں عزت دوں گی۔ میں تمہیں اپنے پیروں کو چاٹنے سے بچاؤں گی۔ میں تمہیں ایک انسان کی طرح رکھوں گی۔ لیکن جس دن تم نے مجھ سے غداری کی' اس روز.... میں.... تمہاری.... جان لے لوں گی۔''
آخری الفاظ چبا چبا کے ادا کیے۔ اس کی آنکھیں شریفہ کے اندر تک اتر رہی تھیں۔ وہ فوراً بولی۔
''آپ مجھے ہمیشہ وفادار پائیں گی شہزادی! میں نے محل سے کوئی غداری نہیں کی' نہ کروں گی۔ آپ حکم دیجیے' میں آپ کے لئے کیا کروں؟''
''ہوں۔'' تالیہ نے ایک انگلی اپنے کان کے آویزے پہ پھیرتے ہوئے سوچتی نظروں سے شریفہ کو دیکھا۔
''آج جب ہم بازار گئے تھے تو وہاں ایک عمارت تعمیر ہو رہی تھی۔ وہ اور اس کے سامنے والی حویلی کس کی ہے؟''
''وہ؟'' شریفہ نے جلدی جلدی ہتھیلی کی پشت سے آنسو رگڑے اور بتانے لگی۔ ''وہ دونوں حویلیاں ابوالخیر کی ہیں۔ وہ ملاکہ کا سب سے بڑا تاجر ہے۔ بہت مال' بیٹوں اور غلاموں والا۔''
''ہوں.... کس چیز کا تاجر ہے وہ؟''
''مچھلی' گوشت اور مسالوں کا۔ وہ ہندوستانی تاجروں سے سخت خار کھاتا ہے اور ان کے مسالے چُرا لیتا ہے یا خراب کروا دیتا ہے' اور اپنے مسالے مہنگے دام بیچتا ہے۔ وہ رئیس ہے اور اس کے ہاں سلاطین' وزراء اور امراء کا روز کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ راجہ مراد کا خاص دوست ہے وہ۔''
''اور وہ لوگ جو عمارت تعمیر کر رہے تھے' وہ کون تھے۔''
''وہ اس کے غلام ہیں۔ عام لوگوں کی طرح وہ منڈی سے غلام نہیں خریدتا بلکہ لوگوں کو اغوا کر کے زبردستی غلام بنا لیتا ہے۔ پھر ان سے مفت میں کام کرواتا ہے۔ برسوں سے لوگ اس کے پاس یوں ہی قید ہیں مگر اس کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ وہ ہر بنداہارا کا دوست جو ہوتا ہے۔''
''تو کیا سارے غلام ہمیشہ اس کے پاس قید رہتے ہیں؟''
''نہیں۔ وہ چند غلاموں کو جو کسی ہنر سے آراستہ ہوں' اور دیکھنے میں تنومند اور مضبوط ہوں' ان کو وہ الگ کر لیتا ہے۔''
تالیہ چونک کے سیدھی ہوئی۔ ''اچھا۔ اور ان کو وہ اچھی خوراک دیتا ہے نا؟ تاکہ وہ صحت مند لگیں؟''
شریفہ نے سر ہلایا۔
''جی ہاں۔ وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے' انہیں سارے ہنر سکھاتا ہے اور انہیں خوب تیار کر کے ہر تھوڑے عرصے بعد نیلامی میں بیچ دیتا ہے۔''
''نیلامی؟'' وہ چونکی۔ ''انسانوں کی نیلامی؟''
اس کا دل ڈوبا۔
''جی شہزادی۔ چین میں بھی تو ہوتی ہوں گی نیلامیاں۔'' اس کا انداز دفاعی مگر مغموم ہو گیا۔
''بڑے بڑے امراء اور شہزادے ایسی نیلامیوں سے اپنے لیے خاص غلام خریدا کرتے ہیں۔'' وہ رکی۔
''کیا آپ اس کے پاس سے کسی غلام کو خریدنا چاہتی ہیں؟''
''جو میں چاہتی ہوں وہ میں تمہیں بتا دیتی ہوں' اور ہو سکتا ہے کہ تم وہ نہ کر سکو' لیکن اس سے مجھے فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ یہ کام تم کو ہی کرنا ہے۔ ہر صورت۔''
اس کے الفاظ سرد تھے اور سنگین بھی۔ دماغ تیزی سے چل رہا تھا۔
دیوار پہ لگی قندیل ہلکی سی پھڑ پھڑا رہی تھی۔ باہر تڑاتڑ بارش برسے جا رہی تھی۔

☆☆☆

ابوالخیر کی حویلی کے باورچی خانے کے ساتھ چھوٹے چھوٹے کمرے بنے تھے۔ ان کے اندر فرش

www.urdusoftbooks.com

پہ بھوسے کے بستر تھے اور دروازوں کی جگہ پردے لہرا رہے تھے۔ایسے ہی ایک چھوٹے سے کمرے میں وہ چت لیٹا چھت کو دیکھ رہا تھا۔بازوؤں کا تکیہ بنا کے سر تلے رکھا تھا اور گہری سوچ میں گم لگتا تھا۔

باہر بارش موسلا دھار برس رہی تھی۔ وقفے وقفے سے بجلی چمکتی اور اوپر لگے روشن دان سے اندر آ کے سارا کمرہ روشن کر دیتی۔روشن دان چند فٹ ہی اونچا تھا۔اور شیشے کا بنا تھا۔اس کے علاوہ کمرے میں کوئی کھڑکی نہ تھی۔

یکدم پردہ ہلکا سا سرکا اور ننھی سی آریانہ اندر داخل ہوئی۔ کھلے بالوں پہ سفید ہیئر بینڈ لگائے' سفید فراک پہنے وہ آہستہ سے ایک دیوار سے جا لگی اور اداسی سے اسے دیکھنے لگی۔

''ڈیڈ!''

''ہوں۔'' وہ چھت کو تکتے ہوئے بڑبڑایا۔

''آپ دکھی ہیں نا؟ ہونا بھی چاہیے۔آخر آپ ایک قیدی ہیں۔وقت کے قیدی۔اس گندے میلے احاطے میں پھنسے قیدی' جہاں کوئی بھی آپ کو زخمی کر سکتا ہے۔ مار بھی سکتا ہے۔ جہاں یہ آپ سے جانوروں کی طرح کام کرواتے ہیں۔آپ کو اب اس زندگی' اور اللہ سے مایوس ہو جانا چاہیے۔'' وہ دھیرے دھیرے اس کو تلخ حقیقت سے روشناس کروا رہی تھی

''تمہیں معلوم ہے میں جب لاء پڑھ رہا تھا تو میں کیا بننا چاہتا تھا؟'' وہ چھت کو دیکھتے ہوئے بولا تو وہ چڑ سی گئی۔

''آپ کو اپنی قسمت کو کوسنا چاہیے' آپ کو رونا چاہیے۔آپ کو اچھی باتیں نہیں سوچنی چاہئیں۔''

''میں شیف بننا چاہتا تھا۔'' وہ چھت کو دیکھ کے مسکرایا۔''مجھے کھانے سے محبت تھی۔سلاد کے پتوں کا رنگ۔آگ پہ پیاز بھوننے کی خوشبو....اسٹیک کے پکنے کی آوازیں۔مکئی کے دانوں کی ساخت....مجھے کھانے سے محبت تھی آریانہ۔اور مجھے کچن کاؤنٹر پہ کھڑے ہو کے سبزیاں کاٹنے میں جو مزا آتا تھا وہ اور کسی چیز میں نہیں آتا تھا۔مگر میں اتنا مصروف ہوتا تھا کہ کچھ نہیں بنا پاتا تھا۔'' وہ مسکراتے ہوئے یاد کر کے کہہ رہا تھا۔چہرے پہ زخم کے نشان ابھی تک نظر آ رہے تھے۔تازہ شیو کی تھی مگر بلیڈ سے چند خراشیں پڑ گئی تھیں۔

''ڈیڈ....اس مایوسی اور بددلی کو دیکھیں جو آپ کے اردگرد پھیلی ہے۔ یہ کچرا....یہ انسانوں کو جانوروں کی طرح استعمال کرنا....ڈیڈ....'' اس کا 'دماغ' آریانہ کے روپ میں اس کو یاد کروا رہا تھا کہ اسے دنیا کے دوسرے اکثر لوگوں کی طرح صرف برا ہی سوچنا ہے مگر وہ اپنے دل سے کچھ اور کہے جا رہا تھا۔

''شادی کے بعد ویسے ہی عصرہ کھانا بناتی تھی۔ پھر میں سیاست میں آ گیا۔امریکہ میں جب میں اسٹیٹ اٹارنی کا الیکشن لڑنے نکلا تو میرے ساتھ پی آر کے لوگ ہوتے تھے ہر وقت۔اور جب میں مشہور ہوتا گیا تو میرا اسٹاف بڑھتا گیا۔لوگ میری ہر حرکت پہ نظر رکھے ہوئے تھے۔میں ملائیشیا واپس آیا تو میرا نام مزید مشہور ہو گیا۔پرائیویسی ختم ہو گئی۔ ملازم' کنسلٹنٹ' کیمپین اسٹاف۔باڈی مین۔ہر وقت کوئی ساتھ چپکا ہوتا تھا۔سیاست' ٹی وی شوز' پبلک اپیئرنس' میرا ایک بزنس فیس تھا۔مجھے اپنے امیج کے مطابق کام کرنا تھا۔میں کرتا رہا۔''

بارش کی بوندیں گرتی رہیں' بجلی چمکتی رہی اور وہ بولتا رہا۔آریانہ ساتھ ہی کچھ کہہ رہی تھی مگر وہ اسے نہیں سن رہا تھا۔

''ہر وقت میڈیا' رپورٹرز' مخالف سیاستدان' میری اپنی پارٹی کے لوگ اور میرا خاندان' میرے فینز میری ہر حرکت کو جج کر رہے ہوتے تھے۔اور جب میں تنہا ہوتا تو بھی اتنا مصروف ہوتا کہ کچن میں قدم تک نہ رکھ پاتا۔مگر وہ شوق کبھی ختم نہیں ہوا۔میں قید تھا۔مجبوریوں اور کاموں میں۔مگر اب....اب میں آزاد ہوں۔''

''آپ قید ہیں' ڈیڈ!'' وہ روہانسی ہوئی۔''ہر

چیز میں مثبت پہلو دیکھنا چھوڑ دیں' ڈیڈ۔"
"نہیں۔ میں آزاد ہوں۔ پہلی دفعہ میں آزاد ہوا ہوں' آریانہ!" اس نے نظروں کا زاویہ بدلا اور مسکرا کے دیوار سے لگی پریشان اور ڈری ہوئی لڑکی کو دیکھا۔ "مجھے یہاں کوئی نہیں جانتا۔ کوئی میرا اسکینڈل نہیں بنائے گا۔ کوئی مجھے جج نہیں کرے گا۔ میں کبھی اتنا آزاد نہیں ہوا۔ میرے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ مجھے اس ملک کو نہیں چلانا۔ مجھے کوئی پارٹی نہیں چلانی۔ دیکھو ارد گرد.... یہاں کوئی مجھ میں انٹرسٹڈ نہیں ہے۔ مجھے کسی کے سامنے اپنا بزنس فیس قائم نہیں رکھنا۔ میں آزاد ہوں۔ اور میں اس باورچی خانے میں کھانا پکا سکتا ہوں۔"
"آپ پھنس چکے ہیں۔ آپ مظلوم ہیں۔ آپ وکٹم ہیں۔ آپ...."
"میں مظلوم نہیں ہوں۔ میں نے اپنی مرضی سے وہ دروازہ پار کیا تھا۔ یہ میری چوائس تھی۔ اور میں یہ نہیں کہہ رہا کہ میں یہاں خوش ہوں۔ نہیں۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ میں مشکل وقت میں ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے نہیں بیٹھوں گا۔ میں اس سے کچھ سیکھ کے ہی نکلوں گا۔ تمہارے باپ نے آج تک ہمت نہیں ہاری۔ گیواپ نہیں کیا۔ تو اب وہ کیوں ہمت ہارے گا۔ نکل تو میں آؤں گا اس سے۔ مگر مجھے اس قید کو بھی ایک تجربے جیسا سمجھنا ہے جو مجھے کچھ سکھائے۔ مجھے اس سے بہتر انسان بن کے نکلنا ہے۔ زیادہ آزاد۔"
"آپ کو ڈرنا چاہیے کہ یہ جنگلی لوگ آپ کو مار نہ دیں۔"
"مرنا کیا ہوتا ہے آریانہ؟" اس نے گہری سانس لی اور بازوؤں کا تکیہ سر تلے رکھے دوبارہ سے اوپر دیکھنے لگا۔ "ایک دنیا سے دوسری میں چلے جانا اور جب آپ ایک نئی دنیا میں چلے جاتے ہیں تو پچھلی کے فائدے نقصان بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اگر مار بھی دیں تو کیا ہوگا؟ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ موت بھی صرف ایک تجربہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ میں دنیا سے جانے سے پہلے وہاں کتنی اچھائی اور پوزیٹی وٹی پھیلا کے جاتا ہوں۔ جب انسان کو یہ ایمان آ جاتا ہے نا' تو وہ موت سے نہیں ڈرتا۔"
اس نے پھر سے دیوار کو دیکھا تو اب آریانہ وہاں نہیں تھی۔ وہ اپنے تمام تر واہموں اور خدشات سمیت غائب ہو چکی تھی۔ وہ ہلکا سا مسکرا دیا۔ اس کی مثبت سوچ نے اندر سر اٹھاتی منفیت کو شکست دے دی تھی۔
گہری سانس لے کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ بارش اب ہلکی ہو رہی تھی۔

☆☆☆

صبح کا سورج ابھی پوری طرح قدیم ملاکہ پہ طلوع نہیں ہوا تھا۔ نارنجی لکیریں جامنی آسمان پہ بکھری تھیں' جب سپاہی ان تین قیدیوں کو اپنے نرغے میں لیے محل کے سبزہ زار پہ آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کے ہاتھ زنجیروں میں بندھے تھے اور وہ جھکے سروں کے ساتھ قطار میں چل رہے تھے۔
ایڈم سب سے پیچھے تھا اور اس کا چہرہ سب سے زیادہ لٹکا ہوا تھا۔
(جب ہم واپس جائیں گے تو ان شاء اللہ چ تالیہ کے خلاف عدالت میں گواہی دینے اور ان کو جیل بجھوانے والا پہلا شخص میں ہوں گا۔ وہ بار بار زنجیر میں مقید ہاتھ شیو یہ پھیر کے تہیہ کرتا تھا۔)
سپاہی ان کو لیے گھوڑوں کے اصطبل تک آ گئے۔ تلوار کی نوک سے ایک سپاہی نے پہلے قیدی کو اصطبل کے اندر دھکیلا۔ وہ ڈرتا ڈرتا آگے بڑھا۔ وہاں موجود مستعد کھڑے سپاہی نے کندھے سے پکڑ کے قیدی کا جائزہ لیا' پھر اس کو گھما پھرا کے دیکھا' پھر اس کی زنجیر کھول دی اور اسے کوئی پُرمشقت کام سمجھانے لگا۔ قیدی مرے مرے انداز میں سر ہلانے لگا۔ پھر اس نے جھک کے کدال اٹھائی۔ سپاہی اس کو رعب سے ہدایات دیتا ایک طرف لے گیا۔
تو یہ تھی ان کی سزا۔
ہر قیدی کو مشقت کرنی تھی۔ ایڈم بن محمد کا دل مزید بجھ گیا۔

www.urdusoftbooks.com

دیگر سپاہی ان دونوں کو لیے آگے بڑھ گئے۔ محل کی عقبی طرف ایک جگہ بہت سے جنگی آلات رکھے تھے اور منہ اندھیرے ہی شاہی غلام ان کو بنانے اوران کی صفائی پہ جُت جاتے تھے۔ بھٹی جل رہی تھی اور لوہے کو اندر دھکایا جا رہا تھا۔ وہاں موجود سپاہیوں نے دوسرے قیدی کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور فوراً کام پہ لگا دیا۔

اب وہ ایڈم کو لیے مزید آگے آئے۔ وہ گم صم سا ان کے ساتھ چلتا آیا۔

(چے تالیہ پہ ملائیشیاء کے آئین کے مطابق چوری اور دھوکہ دہی کے ساتھ ساتھ معصوم شہریوں کو اغوا کر کے حبس بے جا میں رکھنے اور ان سے مشقت کروانے کا مقدمہ بھی بنتا ہے۔) لب کاٹتے وہ سوچ رہا تھا۔

آسمان کی رنگت ہلکی ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اسے لیے محل کی عمارت کے ساتھ ساتھ چلتے جا رہے تھے۔ بہت سے دروازوں پہ پہرے دار کھڑے دکھائی دیتے تھے۔ وہ آگے بڑھتے گئے۔ پھر ایک اونچے اور بھاری لکڑی کے دروازے کے سامنے رکے۔ ایڈم ذرا ٹھٹھک کے آہستہ ہوا۔

وہاں شریفہ اور ایک دوسری کنیز کے ہمراہ....وہ کھڑی تھی۔

تاج سر پہ سجائے' بالوں کا جوڑا بنائے ہوئے تھی۔ سر پہ کپڑا تھا جو تاج سے نکلتا ہوا کمر تک گر رہا تھا۔ نیچے اس نے گہرا نیلا اور سنہری لباس پہن رکھا تھا۔ ایڈم کو دیکھ کے شان سے مسکرائی تھی۔

"میری کیا سزا تجویز کی ہے چے تالیہ آپ نے؟" وہ اسے دیکھتے ہی خفگی سے بولا۔ اس کے الفاظ کسی کی سمجھ میں نہیں آئے تھے نہ کسی نے توجہ دی۔ بس پہرے داروں نے اس کے ہاتھ کھول دیے۔ اور خود دو قدم پیچھے ہٹ گئے۔ اب وہ شہزادی کے سامنے کھڑا اپنی سزا کا منتظر تھا۔

"جیسے میں نے آپ سے گیلری میں بدتمیزی نہیں کی تھی' مگر آپ نے وہاں بھی خوب واویلا مچایا تھا' ویسے ہی میں نے آپ سے اب بھی بدتمیزی نہیں کی تھی' لیکن پھر بھی آپ نے مجھے گرفتار کروا دیا اور" .... وہ غصے سے بولنے لگا مگر شہزادی تاشہ نے ہاتھ اٹھا کے نزاکت سے اشارہ کیا تو پہرے داروں نے جھٹ اس دروازے کے پٹ اندر کی طرف دھکیل دیے۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔ ایڈم نے چونک کے دیکھا۔

اندر ایک طویل ہال تھا۔ جگہ جگہ مشعلیں روشن تھیں۔ وہاں قطار در قطار لکڑی کے ریکس لگے تھے۔ جن پہ ترتیب سے کتابیں سجی تھیں۔ ایڈم کا منہ کھل گیا۔

"یہ شاہی لائبریری ہے' ایڈم۔" وہ اس کو دیکھ کے مدھم آواز میں بولی۔ (پہرے دار اور کنیزیں اس کو اجنبی زبان میں بات کرتے دیکھ کے بھی خاموش رہے۔ جب شہزادی کچھ بول رہی ہو تو وہ گونگے بہرے بن جاتے تھے) "اور تمہاری سزا یہ ہے کہ تم اس کی تمام کتابوں کو نئی جلدیں عطا کرو گے۔ یعنی جلد بھی بناؤ گے اور اس کو چپکاؤ گے بھی۔ یوں تم ساری کتابیں پڑھ بھی لو گے جو کہ قدیم ملے میں لکھی ہیں۔ ہمارے اسکولز میں کلاسیکل ملے کی چند کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ تم نے بھی پڑھی ہوں گی۔ تم ذہین ہو' رسم الخط سے واقف ہو' چند دنوں میں الفاظ اور زبان پہ عبور حاصل کر لو گے۔ کرنا بھی چاہیے کیونکہ جب تک تم زبان نہیں سیکھو گے' ہم یہاں سے نہیں نکل سکتے۔ اس لیے جب تالیہ کہے کہ اس کے پاس پلان ہے تو اس پہ بھروسہ کیا کرو کیونکہ تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔" وہ انگریزی میں کہہ رہی تھی۔ چہرہ سنجیدہ تھا اور وہ ہکا بکا سن رہا تھا۔

پھر وہ کنیزوں اور غلاموں کی طرف متوجہ ہوئی۔

"تمہاری شہزادی کو سات زبانیں آتی ہیں۔ یہ قیدی تامل زبان بولتا ہے اور یہ سمجھتا تھا کہ میں اس کی فضول گوئی نہیں سمجھ سکوں گی۔ ہونہہ۔" غرور سے کہہ کے' لباس پہلوؤں سے اٹھائے آگے بڑھ گئی۔ کنیزوں اور غلاموں کی گردنیں فخر سے اٹھ سی گئیں اور وہ اس کے پیچھے ہو لیے۔ دوسرے سپاہی ایڈم کو

www.urdusoftbooks.com

لیے اندر کی جانب بڑھ گئے۔ وہ ابھی تک اُدھ کھلے منہ کے ساتھ بار بار گردن موڑ کے شہزادی کو دیکھتا تھا۔

اندر کتابیں ہی کتابیں تھیں۔ ایک دیوار سے دوسری تک۔ قطار در قطار ریکس۔ علم کے خزانے۔ قدیم کتابیں۔ ان کی خوشبو۔ مدھم جلتی روشنیاں۔ لکھائی کے لئے بنی میزیں۔ ان پہ رکھی سیاہی کی ڈبیاں۔ پرندوں کے پروں والے قلم۔ وہ مسحور سا گول گھوم گھوم کے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

سپاہی اب درشتی سے اس کو کام سمجھانے لگا۔ جلد کیسے بنانی ہے' اور کیسے کتاب پہ لگانی ہے۔ ایڈم نے بالآخر گہری سانس لی۔

(چلو....اغوا اور حبس بے جا کی دفعات میں اپنے مقدمے سے نکال دوں گا۔)

اس نے رحم دلی سے تالیہ کے بہت سے گناہ معاف کیے اور سپاہیوں کے ہمراہ آگے بڑھ گیا۔

اس کی مشقت سب سے دلچسپ تھی۔

☆☆☆

ابوالخیر کی حویلی پہ وہ رات جب گہری ہونے لگی تو اس کی ساری کھڑکیوں کی روشنیاں دھیرے دھیرے گل ہوتی گئیں۔ ایسے میں باورچی خانے میں ہنوز لالٹین جل رہی تھی۔ سفید مونچھوں والا باورچی آستین چڑھائے' ڈوئی ہاتھ میں پکڑے تندی سے ایک کم عمر لڑکے کو جھڑک رہا تھا جو سر جھکائے' مٹھیوں سے آٹے نما کوئی شے گوندھ رہا تھا۔ ادھر اس کا ہاتھ درست طریقے سے نہ مڑتا' ادھر باورچی ڈوئی کھینچ کے اس کے کندھے پہ مارتا۔

وان فاتح ٹوکری پہلو پہ اٹھائے باورچی خانے میں داخل ہوا تو مچھلیوں کی بُو بھی ساتھ ہی اندر آئی۔ ٹوکری کٹی ہوئی صاف مچھلیوں سے بھری تھی جسے اس نے میز پہ لا دھرا اور پھر ناگواری سے باورچی کو دیکھا جو اس لڑکے کو کوستے ہوئے ڈانٹ مار کے کام کروا رہا تھا۔ لڑکے کے آنسو بہہ رہے تھے اور شانے سے خون بھی رس رہا تھا۔ فاتح خاموش کھڑا اسے گھورتا رہا۔

باہر سے کسی نے آواز دی تو باورچی برا منہ بنائے باہر نکل گیا۔ لڑکے نے بھیگا چہرہ اٹھا کے گلہ آمیز نظروں سے فاتح کو دیکھا۔

''غصے والی شکل کیوں بنا رہے ہو اگر میری مدد نہیں کر سکتے تو؟'' اس کو جیسے آس ٹوٹنے کا دکھ تھا۔ الفاظ نہ سمجھ آئے ہوں' انداز بتاتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

''مجھے اس پہ نہیں' تم پہ غصہ ہے۔ اگر کوئی تمہیں مار رہا ہے' اور تم اس کا ہاتھ خود نہیں پکڑ سکتے تو کوئی تمہیں اس کے ظلم سے نہیں بچا سکتا۔ جب تک تم اپنے لیے نہیں لڑو گے' کوئی تمہارے لئے نہیں لڑ سکتا۔''

لڑکے کی سمجھ میں البتہ کچھ نہ آیا۔ بس خفگی سے آنسو پونچھتا پھر سے آٹا گوندھنے لگا۔

فاتح اپنی کوٹھڑی میں آ گیا۔ رات سیاہ پڑ رہی تھی اور دھیرے دھیرے ساری حویلی نیند کی آغوش میں ڈوبتی جا رہی تھی۔ وہ بھوسے کے بستر پہ چت لیٹا کافی دیر بس چھت کو دیکھتا رہا۔ ذہن میں وہ آریانہ سے باتیں بھی کر رہا تھا۔

رات گہری ہوتی گئی۔ دوسرا پہر گزرنے لگا۔ جب ایک دم اسے لگا کہ اوپر روشن دان سے کوئی سانپ گرا ہے۔ وہ کرنٹ کھا کے اٹھا' اور چند قدم پیچھے ہٹا۔ پھر اندھیرے میں آنکھیں چندھی کر کے دیکھا۔

وہ سانپ نہیں تھا۔ وہ روشن دان سے لٹکی رسی تھی۔ وان فاتح کی گردن کے بال کھڑے ہو گئے۔

رسی سے اوپر چڑھنا قطعاً مشکل نہ تھا۔ چند منٹ میں وہ روشن دان سے نکل کے اوپر آ گیا جہاں چھت کا شیڈ بنا تھا۔ طویل شیڈ جو مخروطی تھا اور اوپر عمارت کے مینار تک جاتا تھا۔ رسی وہاں چمنی سے بندھی تھی۔ اور چمنی کے پاس....وہ اطمینان سے بیٹھی تھی۔

فاتح احتیاط سے اوپر چڑھتا اس تک آیا۔ پھر گردن گھما کے دیکھا۔ پہرے دار بہت نیچے تھے۔ وہ انہیں

نہیں دیکھ سکتے تھے۔

تالیہ نے شاہی لباس کی بجائے سادہ کھلا سیاہ پاجامہ اور سیاہ لمبی قمیص پہن رکھی تھی۔ آلتی پالتی مار کے بیٹھی' وہ سنہرے بالوں کا جوڑا بنائے' بس سادگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے قریب فاتح نے قدم روکے۔

''شہزادی!'' سر کو خم دیا۔

وہ اٹھی نہیں۔ بس سر کو جنبش دی۔ ''تو انکو!''

(جگہ مخروطی تھی۔ ذرا اٹھتی تو نیچے پھسل سکتی تھی۔)

فاتح نے ادھر ادھر دیکھا۔ ''تم یہاں کیسے آ ئیں؟''

تالیہ گردن اٹھا کے اسے چمکتی آنکھوں سے دیکھ کر مسکرائی۔

''جو مجھے آتا ہے' وہ میری جان بچا سکتا ہے۔ اور مجھے دو ہی کام آتے ہیں۔ بلی کی طرح دیواریں پھاند کے دوسروں کے گھروں میں داخل ہو جانا' اور کسی بھی آرٹ ورک کی ہوبہو نقالی کر لینا۔ ان کاموں نے مجھے ایک کنیز کی وفاداری خرید دی اور وہ مجھے یہاں تک لے آئی۔''

فاتح احتیاط سے اس کے ساتھ بیٹھا۔ ''تو کیا تم واقعی شہزادی تاشہ ہو؟''

وہ اداسی سے مسکرائی۔ ''جی ہاں۔ وہ تاشہ جس کا ذکر آپ کتابوں میں پڑھتے تھے' وہ میں ہی ہوں۔ وہ تمام کام جو اس نے کیے تھے' وہ میں اب کروں گی۔ ماضی نہیں بدل سکتا۔ ہم دراصل تاریخ کو بدل نہیں رہے۔ بلکہ ہم اس وقت تاریخ میں موجود ہیں اور ہم تاریخ کو بنا رہے ہیں۔''

''تم نے بنگارایا ملایو پڑھی ہے؟''

وہ دونوں مخروطی چھت پہ بیٹھے تھے اور ان کو سامنے دور دور تک ملاکہ کا قدیم شہر پھیلا ہوا نظر آتا تھا۔

''نہیں' تو ان کو۔'' اس نے فاتح کو دیکھ کے کہا۔ دونوں نے چہرہ ایک دوسرے کی طرف موڑ رکھا تھا۔ ''میں نے صرف شہزادی تاشہ کا نام سنا ہے۔ میں نہیں جانتی کہ اس نے کون سے کارنامے انجام دیے تھے۔''

''میں جانتا ہوں۔ میں نے بنگارایا ملایو پڑھی ہے۔''

تالیہ کا دل زور سے دھڑکا۔

''تو مجھے بتائیے کہ میں یہاں کون سے بڑے کام کرنے جا رہی ہوں۔'' وہ بے چینی سے پوچھنے لگی۔

وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا' پھر مسکرا کے نفی میں سر ہلایا۔

''وہ کتاب تمہارے بارے میں لکھی گئی تھی مگر اس میں ان عظیم کاموں کا ذکر بھی ہے جو میں نہیں جانتا تم کر سکتی ہو یا نہیں۔ اس لیے میں تمہیں ان کے بارے میں نہیں بتاؤں گا۔ تم اپنی فری ول (آزادانہ مرضی) کو استعمال کر کے اپنی مرضی سے جو کرنا ہے کرو۔ یا تو وہ کتاب جھوٹی تھی یا تم واقعی اتنی ہی عظیم ہو جتنا کہ اس میں لکھا تھا....'' اس نے گہری سانس لی۔

''خیر.... ایڈم کو تم اپنے ساتھ رکھنے میں کامیاب ہو گئیں۔''

وہ جو انہماک سے سن رہی تھی' اس کے بات بدل دینے پہ بدمزہ ہوئی۔ ذرا سے شانے اچکائے۔

''ہاں' وہ محل میں پورے عیش و آرام سے رہ رہا ہے۔ درجنوں غلام اس کی خدمت پہ مامور ہیں۔ چھ سو کتابیں اس کو مطالعے کے لئے پیش کی گئی ہیں۔ تین وقت کا کھانا شاہی باورچی خانے سے آتا ہے اس کا۔ اور کیا چاہیے اس کو۔''

''مطلب تم نے اس کو شاہی لائبریری میں قید با مشقت پہ رکھ دیا ہے۔''

''اب یہ تو اپنی اپنی نظر کی بات ہے' تو انکو۔ چونکہ میری نظر مثبت ہے تو میرے خیال میں وہ بڑے آرام سے ہے۔'' مزے سے بولی اور مسکراہٹ دبائی۔ فاتح بھی دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔

سلطنتِ ملاکہ کا قدیم چاند آسمان پہ تیر رہا تھا اور ایسے میں وہ دونوں اس مخروطی شیڈ پہ بیٹھے

اطراف سے بے خبر نظر آتے تھے۔
"تم کیسی ہو؟" فاتح نے دھیرے سے پوچھا۔
"میرے پاس پلان ہے' تو انکو۔ راجہ مراد مجھے چابی نہیں دیں گے' اس لئے میں ایڈم کو زبان سکھا رہی ہوں تا کہ وہ میرے ساتھ رہ سکے۔ آپ کو بھی میں آپ کے مالک سے خرید کے محل میں لے جاؤں گی پھر ہم اس چابی کو مل کے تلاش کریں گے اور....."
"میں پوچھ رہا ہوں' تم کیسی ہو' تالیہ؟" وہ نرمی سے بولا تو تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔
"میں؟" وہ گم صم ہوئی۔
"اپنے بابا سے اتنے عرصے بعد ملی ہو۔ اپنے ملک میں واپس آگئی ہو۔ خوش ہو؟"
وہ اسے دیکھ کے رہ گئی۔ "یہ میرا ملک نہیں ہے۔ یہ میرے لوگ نہیں ہیں۔ میرا ملک صرف ملائیشیا ہے۔ 2016ء کا ملائیشیاء اور مجھے وہیں واپس جانا ہے۔"
"اور تمہارے بابا؟"
"مجھے ان سے کوئی اپنائیت' کوئی محبت محسوس نہیں ہوئی۔ ہمارے درمیان کچھ بھی مشترک نہیں ہے۔ میری فیملی صرف داتن ہے۔ اور کوئی نہیں۔" وہ اداس ہوئی۔ چہرہ موڑ لیا۔ اب وہ دور اندھیرے میں ڈوبے شہر کو دیکھ رہی تھی۔
"یہ تو تم محسوس کر رہی ہو۔ راجہ مراد کیسا محسوس کرتا ہے؟"
"پتا نہیں۔ میرا نہیں خیال ان کو مجھ میں کوئی دلچسپی ہے۔ انہوں نے پہلے ہی دن میرے پیچھے ایک کنیز کو لگا دیا۔"
"یا شاید تم فرض کر چکی ہو کہ تمہیں کوئی بھی انسان اپنی فیملی نہیں سمجھ سکتا۔ اس لئے تم اپنی اصل فیملی سے مل کے بھی پُر امید نہیں ہو۔ تم اپنی عزت نہیں کرتیں' تالیہ۔"
اس نے شاکی نظریں فاتح کی طرف موڑیں۔ "میں سترہ سال بعد ان سے مل رہی ہوں مگر ان کے انداز میں کوئی محبت' کوئی والہانہ پن نہ تھا۔"
"تم اس سے سترہ سال بعد مل رہی ہو' وہ تم سے پانچ دن بعد مل رہا ہے۔ پانچ دن صرف تم اس سے دور رہی ہو۔ ظاہر ہے وہ نارمل ہوگا۔"
"کیا آریانہ کو کھونے کے پانچویں دن آپ نارمل تھے؟" الفاظ تھے کہ کیا..... فاتح ایک دم خاموش ہو گیا۔
"کیا اگر پانچویں دن اس چیئر لفٹ ٹریک پہ آپ جاتے اور وہ آپ کو مل جاتی تو کیا آپ اس سے محبت کا اظہار کرنے میں سرد مہری یا کنجوسی سے کام لیتے۔"
"میرا کیس مختلف ہے۔ میں اکیسویں صدی کا باپ ہوں۔ پہلے زمانے میں لوگ اتنے ایکسپریسیو نہیں تھے۔ باپ عموماً سخت گیر ہوتے تھے۔"
"ہاں!" اس نے گہری سانس بھر کے اثبات میں سر ہلایا۔ "ہماری دنیا اور اس دنیا میں بہت فرق ہے۔ اور اپنی دنیا میں واپس جانے کے لیے ہمیں راجہ مراد سے لڑنا پڑے گا۔"
"تم اپنے باپ کو اپنا دشمن کیوں سمجھتی ہو؟"
"کیونکہ وہ کوئی ہیرو نہیں ہیں۔ وہ خطرناک ہیں۔ قاتل ہیں۔ ظالم ہیں۔ انہوں نے اپنے لوگوں سے وعدہ کیا تھا' ان کی بھلائی کا وعدہ اور پھر انہوں نے اپنا ضمیر بیچ کے اس وعدے کو بھلا دیا اور ایک طاقت ور عہدہ حاصل کر لیا۔ ایسے شخص کو کیا کہتے ہیں' تو انکو؟"
وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا' پھر آہستہ سے بولا۔ "سیاست دان۔"
وہ لمحے بھر کو کچھ بول نہ پائی۔ "میرے بابا..... ایک ظالم' خطرناک....."
"سیاست دان ہیں۔ تمہارے بابا صرف ایک سیاستدان ہیں۔ اور ان کا مقابلہ کرنے کے لیے اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ تحمل سے کہہ رہا تھا۔ "سیاستدان سے مقابلہ کرنے کے لیے کسی جنگ' کسی لڑائی' کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے تمہیں سوائے ایک چیز کے۔"
"کیا؟"

"The art of Politics" (فن سیاست)
تالیہ نے خفگی سے اسے دیکھا۔ "جو ہماری دنیا کے سیاستدان کرتے ہیں؟ ملک کا پیسہ چوری کرنا' لوگوں سے وعدے کر کے ووٹ لینا' اور پھر ان کو بھلا دینا' طاقت کا غلط استعمال کرنا..... یہ سب چیزیں اس پندرہویں صدی کے ملاکہ میں فٹ نہیں بیٹھتیں۔"
"اوہ تالیہ!" وہ پیچھے ہوا اور بازوؤں کا تکیہ بنا کے نیم دراز انداز میں مخروطی شیڈ سے ٹیک لگا لی۔ تالیہ کو گردن موڑ کے اسے دیکھنا پڑا۔ وہ اوپر آسمان پہ نظر آتے تاروں کو دیکھ کے کہہ رہا تھا۔
"یہ تو برے سیاستدان کرتے ہیں۔ میں تمہیں برا بننے کے لیے نہیں کہہ رہا۔ صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ تم راجہ مراد سے چابی حاصل کر سکتی ہو اگر تم اس کو اسی کے انداز میں ہینڈل کرو۔"
"اور ان کا انداز جانتے ہیں آپ؟ کل ایک آدمی کی گردن اڑا دی صرف عوام کو پیغام دینے کے لیے کہ ملک میں نیا بندارا آ گیا ہے۔"
"ملک میں نئی شہزادی بھی تو آئی ہے۔ کیا شہزادی نے چند لوگ گرفتار کرنے کے علاوہ لوگوں کو کوئی پیغام دیا؟"
"میں طاقت کا اظہار کرنے کے لیے لوگوں کی گردنیں نہیں مار سکتی۔"
"گردنیں مارنا طاقت کے اظہار کا واحد طریقہ نہیں ہوتا۔ وہ برا ہے' تم اچھی ہو۔ تم اپنے طریقے سے اپنی طاقت کا اظہار کرو۔ طاقت کوئی ہموار زمین نہیں ہوتی۔ یا تو یہ اوپر جا رہی ہوتی ہے یا نیچے۔ تمہیں اس کو بڑھانا ہوگا۔"
"مگر کس طرح؟" وہ الجھن سے بولی۔ پھر چونکی۔ "آپ نے ہنگارایا ملایو پڑھی تھی۔ اس میں لکھا تھا کچھ ایسا کیا؟ کہ شہزادی تاشہ نے محل میں آتے ہی طاقت کا اظہار کیا تھا؟ کیا کیا تھا میں نے؟" وہ بے چین ہوگئی۔
"کیا تھا نہیں.... کرو گی۔ اب تم جو کرو گی وہ تاریخ بنے گا۔ اور ابھی وہ کتابوں میں بھی لکھا جائے گا۔ وہی جو میں نے پڑھا ہے یا تو وہ سچ ہے' یا جھوٹ۔ مگر میں یہ دیکھنا چاہوں گا کہ تم حقیقت میں کیا کرتی ہو۔ ہو سکتا ہے مورخین نے کتابوں میں سچ نہ لکھا ہو۔"
اس نے بددلی سے ابرو بھینچے۔ "یعنی آپ نہیں چاہتے کہ میں "اپنی" ہی نقل کروں۔"
"جو تم سمجھو۔"
"ٹھیک ہے۔ پھر میں وہی کروں گی جو مجھے درست لگے گا۔ لیکن مجھے صرف ایک بات بتا دیں۔ شہزادی تاشہ کا انجام کیا ہوا تھا؟ عصرہ کہتی تھیں' اس کا انجام ٹریجک تھا۔ میں نے نہیں پڑھ رکھا۔ آپ نے تو پڑھا ہے نا۔"
وہ چند ثانیے کو اسے دیکھتا رہا' پھر گہری سانس لی۔ "کیا تمہارے بابا کے پاس چابی موجود ہے یا اس کو نئی بنانی پڑے گی؟" وہ بات ٹال گیا تھا۔ تالیہ نے خفگی سے اسے دیکھا۔
"ٹھیک ہے۔ مت بتائیں۔ وقت خود ہی سب ظاہر کر دے گا۔" پھر اس کا چہرہ دیکھ کے عجیب سے لہجے میں بولی۔ "آپ کو کسی چیز سے خوف کیوں نہیں آتا؟ کبھی مایوس کیوں نہیں ہوتے آپ؟"
وہ جو گھٹنوں کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنائے بیٹھا تھا' اس بات پہ دھیرے سے ہنس دیا۔
"میں نے زندگی میں بہت سی جنگیں لڑی ہیں۔ مجھے بھی سیٹ بیک ملتے ہیں مگر میں ایک دن کی بری باتوں کو صرف اس دن تک خود پہ طاری رکھتا ہوں۔ اگلی صبح میں نئی امید اور فریش ذہن کے ساتھ اٹھتا ہوں اور اپنے مقصد پہ فوکس کرتا ہوں۔"
"سب آپ جیسے نہیں بن سکتے۔"
"ظاہر ہے سب میرے جیسے نہیں بن سکتے۔ آسان تھوڑی ہے میرے جیسا بننا۔"
تالیہ اداسی سے مسکرا دی۔ پھر گردن گھما کے نیچے پھیلے احاطے کو دیکھا۔ یہاں سے احاطے کی صرف چاردیواری نظر آتی تھی۔ تب ہی وہ پہرے داروں کی نظروں سے محفوظ تھے۔

"میں اب چلتی ہوں۔ آپ نیچے اتر جائیں اور آرام کریں۔"

"اپنا خیال رکھنا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اسے سبج سبج قدم اٹھاتے جاتا دیکھتی رہی۔ پھر لباس میں چھپایا۔ بٹوہ نکالا۔ گیلا بٹوہ اب سوکھ چکا تھا اور اس میں وان فاتح کے آئی ڈی کارڈ' کریڈٹ کارڈ' رقم اور پاپ کارن کے ٹکڑے اسی طرح رکھے تھے۔ وہ بٹوہ واپس کرنے آئی تھی مگر نہیں کر سکی۔ نہ جانے کیوں۔

چند ساعتوں بعد محل کے سبزہ زار پہ وہ خاموشی سے شریفہ کے ساتھ چل رہی تھی۔ دونوں نے چغے پہن رکھے تھے اور ٹوپیاں سروں پہ گرا رکھی تھیں۔ لائبریری کے سامنے وہ رکی اور چغے کی ٹوپی پیچھے گرائی تو پہرے دار اسے دیکھ کے چونکے۔ پھر ادب سے پیچھے ہٹ گئے۔

اندر فرش پہ کتابیں پھیلائے' چمڑے کو کاٹتا ہوا ایڈم بیٹھا تھا۔ چراغ اور قندیلیں روشن تھیں۔ وہ گال تلے ہاتھ رکھے ایک کتاب کے مطالعے میں منہمک تھا۔ ایک کتاب کی جلد چپکا کے اسے سوکھنے کے لیے سامنے رکھا تھا۔

آہٹ پہ وہ ہڑبڑا کے سیدھا ہوا۔ پھر جلدی سے سیدھا کھڑا ہوا۔

چغے والی شہزادی قریب آ رہی تھی۔ ساتھ کوئی نہ تھا۔

"آپ کو معلوم ہے چے تالیہ.... اسکول میں ہمیں قدیم ملے میں لکھی چند کتابیں پڑھائی گئی تھیں۔ قدیم ملے بھی قدیم انگریزی کی طرح ہے۔" وہ کتاب ہاتھ میں لیے جوش سے بتانے لگا۔ تھکا ہوا لگ رہا تھا مگر جوش قابلِ دید تھا۔ "Chaucer کی کینٹر بری ٹیلو چودہویں صدی میں لکھی گئی تھی اور پہلی نظر میں اس کی انگریزی بالکل سمجھ میں نہیں آتی مگر غور سے پڑھو تو زبان وہی ہے' صرف تلفظ اور ہجے مختلف ہیں۔ یہ قدیم ملے کی کتابیں میں تھوڑی بہت سمجھ سکتا ہوں کیونکہ صرف الفاظ کے ہجے زیادہ ہیں اور یہ لوگ ان کو مختلف طریقے سے ادا کرتے ہیں ورنہ زبان تقریباً وہی ہے۔"

"تم نے ہنگارا یا ملایو پڑھی ہے؟ شہزادی تاشہ کی داستان؟" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"نہیں تو.... کبھی دل ہی نہیں چاہا۔"

"یعنی تمہیں نہیں معلوم کہ شہزادی تاشہ نے کون کون سے کارنامے سرانجام دیے تھے؟"

"نہیں چے تالیہ۔ مجھے نہیں معلوم۔ مگر آپ کیوں پوچھ رہی ہیں۔" پہلے وہ الجھا۔ پھر چونکا۔ "اوہ میں سمجھ گیا۔ آپ ہر دفعہ کی طرح اس امتحان میں بھی چیٹنگ کر کے پاس ہونا چاہتی ہیں' ہے نا۔ آپ اس کتاب سے آئیڈیاز چرانا چاہتی ہیں۔ سچ کہتے ہیں' چور چوری سے جائے' ہیرا پھیری سے نہ جائے۔"

"چور ہیرا پھیری سے جائے یا نہ جائے' یہ قیدی ضرور اپنے سر سے جائے گا۔" دانت جما کے سرد لہجے میں بولی تو ایڈم کا منہ بن گیا۔

"میں ملائیشیاء کا ایک قانون پسند شہری ہوں۔ آپ جو سارا دن میرے اوپر ظلم ڈھاتی ہیں' ان کا حساب آپ کو ایک دن دینا ہوگا۔"

"کام پہ دھیان دو اور زیادہ دماغ خرچ مت کرو۔ کہیں ختم ہی نہ ہو جائے۔" اور پھر ایک برہم سا 'ہونہہ' کر کے وہ پلٹ گئی۔

وہ ماتھے پہ لکیریں ڈالے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

"اگر بے جا گمان کرنا گناہ نہ ہوتا تو میں ضرور سوچتا کہ کہیں چے تالیہ نے اصلی شہزادی تاشہ کو قید کر کے اس کی جگہ تو نہیں لے لی۔ ویسے ملائیشیاء کے قانون کے مطابق کسی دوسرے کی شناخت اپنا لینے پہ کون سی دفعہ لگتی ہے؟"

وہ بڑبڑاتے ہوئے واپس بیٹھا اور چمڑے کا ٹکڑا اٹھا لیا۔ ابھی اسے کافی سارا کام کرنا تھا۔

☆☆☆

صبح کی سفیدی محل کے میناروں سے ٹکرائی تو جامنی آسمان پہ تیرتے بادلوں کے نارنجی کنارے غائب ہونے لگے' یہاں تک کہ دودھیا پن سارے پہ چھا گیا اور آسمان خوب روشن ہو گیا۔

شہزادی تاشہ کی خواب گاہ میں سنگھار میز کے

سامنے کرسی پہ وہ بیٹھی تھی اور ٹیک لگائے' بے نیاز' مغرور نظروں سے آئینے میں خود کو دیکھ رہی تھی۔ پیچھے کھڑی شریفہ اس کے بالوں میں نرمی سے ہاتھی دانت کا بنا کنگھا پھیر رہی تھی۔

ایک بازو اس نے پھیلا رکھا تھا جس میں ایک دوسری کنیز سونے کے کنگن چڑھا رہی تھی۔

''راجہ نے کہا ہے کہ شاہی اتالیق کو بلوایا جائے۔ وہ آپ کو مختلف فنون اور آداب کی تربیت دیں گے۔ اس کے علاوہ....''

تالیہ نے ابرو اٹھا کے برہمی سے عکس میں اپنے پیچھے کھڑے اسے دیکھا۔

''تاشہ کو سب آتا ہے۔ اسے کچھ بھی نیا سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''مگر شہزادی' میری عرض سنیے۔ شہزادیوں کو شاہی آداب سیکھنے کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے۔''

''میں پہلے ہی بہت باادب اور سلیقہ مند ہوں۔ راجہ سے کہو' میری فکر نہ کیا کریں۔''

شریفہ خاموش ہو گئی۔

تب ہی دروازے پہ دستک ہوئی اور ایک تائی ژیان ہاتھ باندھے اندر داخل ہوا۔

''شہزادی یان سوفو آپ سے ملنے آئی ہیں۔''

تالیہ چونکی۔ فوراً شریفہ کو دیکھا۔ پھر آئینے میں خود کو دیکھا۔ اس کا سنگھار مکمل ہو چکا تھا' لبوں پہ لپ اسٹک بھی لگی تھی اور آنکھوں میں کاجل بھی۔ مگر بال بنانے ابھی رہتے تھے۔

''شہزادی کو انتظار کرواؤ۔ مجھے ابھی لگے گی۔''

بے نیازی سے بولی اور واپس پیچھے ہو کے بیٹھ گئی۔ آئینے میں وہ اپنی آنکھوں کو دیکھ رہی تھی جن میں یان سوفو کے ذکر کے بعد سے تپش سی بھر گئی تھی۔

وہ ظالم شہزادی جس نے الور سونگائی کے لوگوں پہ ظلم ڈھایا تھا...اور نہ جانے کتنے لوگوں کو قید میں ڈالا تھا.... جس کی حد سے بڑھی حرکتوں پہ بھی سلطان اس ٹوکتا نہ تھا کیونکہ وہ چین کے بادشاہ کی بیٹی تھی اور سلطان کی محبوب منگیتر.... جس سے چند دن بعد سلطان کی شادی ہونا تھی .... وہ اس وقت ملاکہ کی سب سے طاقتور عورت تھی۔ سوائے راجہ مراد کے' اس کے مقابلے پہ کوئی نہ تھا۔

اس کی سازشیں وجہ بنی تھیں کہ تالیہ کا الور سونگائی اُجڑ گیا اور وہ وقت کا دروازہ پار کر گئی۔

اور آج وہ اس شہزادی سے ملنے جا رہی تھی۔

تالیہ نے آج گلابی زرتار لباس پہنا تھا۔ شوخ گلابی' لہنگا سا قدموں کے نیچے سے فرش پہ جھاڑو دیتا تھا' اور قمیض گھٹنوں تک آتی تھی۔ دونوں کہنیوں پہ ریشمی دوپٹا پیچھے سے ڈال رکھا تھا جو لباس کے ساتھ ہی فرش کو چھوتا تھا۔ سنہری بال آدھے باندھے' وہ بالوں پہ تاج پہنے' باہر محل کے سبزہ زار کی روش پہ چلتی آ رہی تھی۔ دونوں کنیزیں اور خادم ایک قدم پیچھے تھے۔

باغ میں ایک جگہ چھوٹے چھوٹے درخت لگے تھے۔ ان کے ساتھ شہزادی یان سوفو کھڑی تھی۔ اس نے چینی طرز کی لمبی میکسی پہن رکھی تھی' اور بالوں کے جوڑے میں لمبی اسٹک اٹکی نظر آتی تھی۔ سیاہ بالوں والی دراز قد اور پرکشش شہزادی مسکرا کے دور سے اس کو آتے دیکھ رہی تھی۔ اس کے ساتھ جو کنیزیں اور خادم کھڑے تھے' وہ سب بھی چینی تھے۔

گلابی لباس والی تاشہ دونوں پہلوؤں سے لباس اٹھائے' قریب آئی تو اس کا چہرہ سنجیدہ تھا۔

''شہزادی۔'' اس نے سر جھکا کے آداب کہا تو یان سوفو نے جواباً اپنا سر بھی جھکایا۔ ''شہزادی!'' پھر مسکرا کے اسے دیکھنے لگی۔

''ماشاءاللہ۔ راجہ مراد کی بیٹی تو میری سوچ سے زیادہ خوبصورت ہے۔ آپ کو اس محل میں دیکھ کے بہت خوشی ہوئی' شہزادی تاشہ۔ مگر اس بات کا افسوس بھی ہوا کہ تین ماہ سے ہم ملاکہ میں رہ رہے ہیں' مگر کسی نے ہم سے ذکر تک نہ کیا کہ سلطان کے پھوپھی زاد راجہ مراد کی کوئی بیٹی چین میں بھی رہتی تھی۔ ویسے چین کے کس شہر میں اتنے سال گزارے آپ نے؟''

تالیہ جبراً مسکرائی۔

"کسی ایک شہر میں گزارے ہوں تو بتاؤں۔ اتنے شہروں میں رہی ہوں کہ مجھے تو سارا چین اپنا ہی لگتا ہے۔"

یان سوفو کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ نظریں تالیہ پہ جمی تھیں۔

"آپ کی بہن کی گمشدگی کا سن کے افسوس ہوا۔ کیا تالیہ ابھی تک نہیں ملی؟"

"تاشہ اور میں نے تالیہ کا معاملہ اللہ پہ چھوڑ دیا ہے۔ اللہ نے چاہا تو وہ ضرور مل جائے گی۔"

آواز پہ وہ چونک کے بے اختیار گھومی۔ راجہ مراد روش پہ چلتا آ رہا تھا۔ ہاتھ کمر پہ باندھ رکھے تھے اور سپاٹ چہرے پہ سرد سی مسکراہٹ تھی۔ کندھوں پہ پہنی پوشاک قدموں تک آ رہی تھی۔

تالیہ کے تنے اعصاب قدرے ڈھیلے ہوئے۔ وہ اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا تو اسے مضبوط سہارے کا سا احساس ہوا۔ نہ جانے کیوں۔

"راجہ! آپ کو دیکھ کے اچھا لگا۔ کیا آپ نے میرا کام کر دیا؟ پوچھتے ہوئے اچھا تو نہیں لگ رہا' آپ کو زحمت بھی بہت دے رہی ہوں' مگر کام ضروری تھا۔" یان سوفو نرمی اور خفت سے بولی تھی۔ وہ خفت مصنوعی تھی یا شاید اس کا انداز ہی ایسا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے شہزادی۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پہ۔ جو سامان آپ کو درکار تھا وہ میں نے آپ کے محل بھجوا دیا ہے' اور ہاں... آپ کا چور بھی پکڑا گیا ہے۔"

"آپ کا بہت شکریہ' راجہ!" وہ ممنون ہوئی۔ پھر تالیہ کا چہرہ دیکھا جو باری باری دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"میرے محل سے تھوڑا سا سونا چوری ہوا تھا۔ راجہ نے وعدہ کیا تھا کہ ان کے سپاہی چور کا سراغ لگا لیں گے۔ میرا ہی ایک ملے غلام تھا جو بھاگا ہوا تھا۔ اور بالآخر راجہ نے اس کو ڈھونڈ ہی نکالا۔"

تالیہ نے محض سر ہلا دیا۔ اس کے اعصاب تن رہے تھے۔ شہزادی اب پھر سے راجہ کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔ شہد سے میٹھے لہجے' ممنون چہرے۔

کیا یہ دونوں دشمن نہیں تھے؟

"یہ رہا آپ کا مجرم!" چند سپاہی دور ایک شخص کو رسیوں میں باندھے لے کر جاتے نظر آ رہے تھے۔ غالباً وہ راجہ کے ساتھ ہی آئے تھے۔ راجہ نے اشارہ کیا تو وہ اس شخص کو وہیں لے آئے۔ اس کی آنکھوں پہ پٹی بندھی تھی اور ہاتھ پیر بھی زنجیر پا تھے۔

یان سوفو نے ایک محظوظ نظر اس پہ ڈالی۔ وہ اب سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

"اس کی پٹی کھولو۔ میں چاہتی ہوں کہ سزا کے وقت یہ میری آنکھوں میں دیکھے۔"

"آپ اس کو ابھی سزا دینا چاہتی ہیں۔" راجہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

یان سوفو نے چمک کے اسے دیکھا۔ "کیا آپ نہ دیتے؟"

"میرا مطلب تھا' اس جگہ؟ باغ میں؟ خیر!" راجہ خاموش ہو گیا۔ سپاہیوں نے قیدی کی پٹی کھول دی۔ اس نے شہزادی کو دیکھا اور نظریں خفت سے جھکا لیں۔ تالیہ کو عجیب سا احساس ہوا۔

شہزادی نے ایک ہاتھ پھیلایا تو ایک سپاہی نے اس پہ تلوار رکھی۔ دوسرے سپاہی نے قیدی کا دایاں ہاتھ رسی سے نکال کے زور زبردستی سے سامنے کیا۔ تالیہ کا سانس تھم گیا۔

(یہ آدمی چور نہیں ہے۔ اگر چور ہوتا تو منت ساجت کرتا۔ یہ تو سزا کے لیے تیار ہے۔) اس نے چونک کے راجہ مراد کو دیکھا جو کمر پہ ہاتھ باندھے کھڑا سنجیدگی اور خاموشی سے ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔

(یہ آدمی بابا نے پکڑا ہے۔ اس سے کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوئی۔ بابا نے اصل چور کو بچانے کے لیے اس کو سامنے کر دیا ہے۔) ایک سنسنی خیز لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑتی گئی۔

"اسلام میں جو چور کی سزا ہے' وہی میں' شہزادی یان سوفو' تمہیں دیتی ہوں۔" کہہ کے شہزادی نے مہارت سے تلوار بلند کی۔ چور نے آنکھیں سختی سے میچ

www.urdusoftbooks.com

لیں۔ تلوار نیچے آئی اور اس کا ہاتھ کلائی سے کاٹ کے نیچے گرا گئی۔ خون کے چھینٹے سیدھے تالیہ کے اوپر آتے مگر وہ تیزی سے پیچھے ہو گئی۔ بے اختیار اس نے باپ کی کہنی کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

وہ آدمی درد سے چلا رہا تھا۔ بازو سے خون بھل بھل بہہ رہا تھا۔

یان سوفو نے تلوار واپس تھما دی اور مسکرا کے تالیہ کو دیکھا۔ وہ لوگ سپاہی کو لیے واپس مڑ گئے۔ اس کا خون یہاں وہاں گھاس پہ گرتا جا رہا تھا۔

"شکریہ بنداہارا۔ مجھے امید ہے آئندہ بھی آپ میرے دشمنوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے میری مدد کرتے رہیں گے۔"

یہ کہہ کے شہزادی مڑ گئی۔ اس کا عملہ بھی ساتھ ہی پلٹ گیا۔ اور سبک رفتاری سے وہ روش پہ آگے بڑھتے گئے۔

تالیہ اسی طرح سن کھڑی تھی۔ مراد کی کہنی سے آستین اس نے سختی سے بھینچ رکھی تھی۔ آنکھیں دور جاتی یان سوفو پہ جمی تھیں۔

"بابا" لب پھڑپھڑائے۔ مراد نے گردن موڑ کے غور سے اس کا سفید پڑتا چہرہ دیکھا۔

"شریفہ کہہ رہی تھی کہ آپ میرے لیے شاہی اتالیق بھجوانا چاہتے ہیں جو مجھے شاہی آداب کی تربیت دیں۔" اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی اور نظریں وہیں جمی تھیں۔ "آپ کل صبح اس کو میرے پاس بھجوا دیں۔ میں شہزادیوں کی طرح رہنا سیکھنا چاہتی ہوں۔"

راجہ مراد ہلکا سا مسکرایا۔ ایک ہاتھ سے تالیہ کا کندھا ذرا دبایا اور آگے بڑھ گیا۔ تالیہ کی بھینچی مٹھی سے اس کی کہنی پھسل گئی۔ مٹھی خالی رہ گئی۔ اور دور اسی نکتے پہ جمی نظریں ویسے ہی خالی تھیں۔

☆☆☆

قدیم کتب خانے میں قدرے اندھیرا تھا۔ کونے میں زمین پہ دو زانو بیٹھا ایڈم ایک چوکی پہ کاغذ پھیلائے، سیاہی میں قلم ڈبو ڈبو کے لکھ رہا تھا۔ چراغ چوکی پہ رکھا تھا اور اس کی پھڑپھڑاتی زرد روشنی صفحات کو روشن کیے ہوئے تھی۔

(میرا نام ایڈم بن محمد ہے اور میں ہمیشہ سے ایک مستقبل کے خوف کا شکار انسان رہا ہوں۔) وہ قدیم جاوی رسم الخط میں لکھ رہا تھا....

(میں اپنے اتوار، سوموار کے آنے کے خوف میں ضائع کر دینے والا انسان ہوں۔ میں ہمیشہ کل کیا ہوگا اور میں یہ کیسے کروں گا، سوچنے والا انسان ہوں۔)

ابوالخیر کی حویلی کی رسوئی میں کھڑا بوڑھا باورچی سیخوں پہ گوشت کے ٹکڑے پرو رہا تھا، اور ساتھ کھڑے فاتح کو سمجھا رہا تھا۔ وہ پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے، غور سے اس کے ہاتھوں کی حرکت دیکھ رہا تھا۔

(مستقبل کے خوف کے ساتھ ناکامی کا خوف بھی میرے اوپر ہمیشہ طاری رہا ہے۔ میں زندگی کا ہر باب شروع کرنے سے قبل یہ سوچتا ہوں کہ کیا کروں جو ہار سے بچ جاؤں؟)

محل کے برآمدے میں اتالیق چند خادموں کے ہمراہ کھڑا تھا، اور انگلیوں پہ لمحے شمار کر رہا تھا۔ جبکہ تالیہ سر پہ سیبوں کا تھال رکھے، آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ سیدھی لکیر میں۔ چند قدم اٹھائے ہی تھے کہ توازن بگڑا۔ سارے سیب نیچے آ گرے۔

(مگر وان فاتح کہتے ہیں کہ زندگی ان پہ مہربان ہوتی ہے جو یہ سوچ کے نیا باب شروع کرتے ہیں کہ ہمیں جیتنا کیسے ہے؟)

فاتح چولہے پہ چڑھے برتن میں بوتل سے مائع انڈیل رہا تھا.... آگ نے مائع کو چھوا، اور شعلہ سا بھڑکا۔ اس کے ہاتھ کو آگ کی لپٹ نے چھوا اور وہ کرنٹ کھا کے پیچھے ہٹا.... جلن کا شدید احساس....

(میں ان ساری کتابی باتوں کو مانتا ہوں کہ ہاں، ہمیں ہمیشہ مثبت ہی سوچنا چاہیے وغیرہ وغیرہ مگر میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ مثبت سوچنے کا آغاز کیسے کیا جائے۔)

چھوٹی میز کے گرد وہ دونوں بیٹھے تھے۔ درمیان

میں بڑے پیالے میں پانی رکھا تھا۔ اتالیق غور سے اسے دیکھ رہا تھا اور وہ بار بار پانی میں ہاتھ مارتی تھی۔ پانی اچھل کے باہر آگرتا۔ وہ بے بسی سے اس کو دیکھتی اور کندھے اچکاتی۔ (اس کا کیا فائدہ' استاد؟)

(میں بھی فاتح صاحب جیسا مثبت آدمی بننا چاہتا ہوں مگر میں کہاں سے شروع کروں؟)

فاتح جلے ہاتھ کے ساتھ گوندھے میدے کو بیل رہا تھا۔ روٹی بار بار ٹوٹ جاتی۔ وہ ضبط کر کے پھر سے شروع کرتا۔ پھر ایک دم اس نے روٹی اکٹھی کر کے مٹھی میں بھینچی اور دیوار پہ دے ماری۔ پھر دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔ چند لمحے گزرے اور اس نے گہری سانسیں لے کر خود کو نارمل کیا اور دوبارہ سے پیڑے بنانے لگا۔

(اور اب میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کیوں نہ پہلے میں اپنے اندر کے منفی پن کو نکالنے کی سعی کروں؟ مجھے سب سے پہلے کون سی چیز منفی ردعمل کی طرف دھکیلتی ہے؟ لوگوں کی باتیں۔ غصہ دلاتی' خوف دلاتی باتیں۔)

وہ مسہری پہ بیٹھی تھی۔ ہاتھ میں ریشمی کپڑا تھا جس پہ سوئی سے وہ کچھ کاڑھ رہی تھی۔ اتالیق اس کے کندھے کے پیچھے کھڑا' کمر پہ ہاتھ باندھے' جھک کے ٹانکا دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے نفی میں سر ہلایا تو تالیہ نے غصے سے کپڑا گول مول کر کے واپس پھینک دیا۔ اتالیق آگے بڑھا' جھک کے کپڑا اٹھایا اور ادب سے واپس شہزادی کو لا دیا۔ تالیہ نے روہانسی ہو کے اسے دیکھا اور تھام لیا۔

(انسان جلد باز بنایا گیا ہے۔ یعنی جلد ردعمل دینے والا۔ اس کا مطلب ہے ہم انسانوں کو اپنی اصلاح کرنا ہوگی۔ ہمیں ذرا ذرا سی بات پہ ردعمل دینے سے خود کو روکنا ہوگا۔)

وہ رسوئی میں کھڑا تھا۔ اور سامنے ڈھیروں پیالیاں رکھی تھیں۔ وہ چائے دان کو ہوا میں کئی فٹ بلند کیے' پیالیوں میں چائے انڈیل رہا تھا۔ قہوے کی دھار سی نیچے آتی اور ایک ایک کپ کو بھرنے لگتی۔ جہاں اس کا ہاتھ ڈھیلا ہوتا اور قہوہ باہر چھلکتا' وہیں ایک ہٹا کٹا پہرے دار زور سے چھڑی اس کی کمر پہ مارتا۔ وہ ضبط سے لمحے بھر کو آنکھیں میچتا' پھر دوبارہ سے گہری سانس لے کر چائے انڈیلتا....

(میں نے یہ سیکھا ہے کہ جب تک میں ہر ایک کی ہر بات کو دل سے لگاتا رہوں گا' تب تک میں اذیت میں رہوں گا۔ کسی دوسرے انسان کو صرف الفاظ سے میرا سکون چھیننے کا اختیار نہیں ہونا چاہیے۔)

وہ گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھی تھی اور ہاتھوں میں ستار اٹھا رکھا تھا۔ اس کے مختلف تاروں کو چھیڑتی وہ اسے بجانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اتالیق کھڑا افسوس سے نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ وہ دانت کچکچا کے مزید تیز تیز انگلیاں تاروں پہ رگڑنے لگی۔ انگلیوں کے پوروں سے خون نکلنے لگا۔

(اصل طاقت تو ٹھنڈے رہنے میں ہے۔ اصل طاقت ور لوگ وہی ہیں جو لوگوں کی ہر بات پہ یقین نہیں کر لیتے بلکہ اکثر باتوں سے درگزر کر جاتے ہیں اور ان کو بے جا سوچتے نہیں رہتے۔)

دو چولہوں پہ کڑاہیاں رکھی تھیں۔ وہ بیک وقت تیزی سے دونوں ہاتھوں سے ان میں چیزیں الٹ رہا تھا۔ پھر کڑاہی کے ہینڈل کو پکڑ کے اٹھا کے سبزیوں کو الٹا پلٹتا۔ انداز میں مہارت اور چہرے پہ سنجیدگی تھی۔ دور بیٹھے بوڑھے باورچی نے محض نظر اٹھا کے اسے دیکھا' اور مسکرا کے جھک کے اپنا کام کرنے لگا۔

(اگر دوسروں کے منہ سے نکلے الفاظ ہمیں کنٹرول کرنے لگ جائیں تو اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ ہم نے اپنی پوری ذات کا کنٹرول دوسروں کے ہاتھوں میں دے رکھا ہے۔ نہیں۔ اگر مجھے مثبت انسان بننا ہے تو مجھے پہلے قدم کے طور پہ اپنے ''موڈ'' کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں واپس لینا ہوگا۔)

وہ سر پہ ایک کتاب کے اوپر سیب رکھے' سفید چاک کی کھینچی لائن پہ سیدھ میں چل رہی تھی۔ لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ اب پیر نہیں رپٹ رہا تھا۔ وہ بالکل سیدھی چل رہی تھی۔

(میں بطور انسان اکیلا ہی اس دنیا میں آیا تھا اور اکیلا ہی جاؤں گا۔ میرے دوست اور میرے گھر والے بھی ہر وقت میری پسند کی بات نہیں کہہ سکتے۔ میں دن میں بہت دفعہ بہت سی باتوں پہ دکھی ہوں گا' اور اس دکھ سے بچنے کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے؟)

ابوالخیر کی طویل ڈائننگ ٹیبل بجی تھی۔ اوپر فانوس جل رہا تھا۔ سربراہی کرسی پہ ابوالخیر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ دائیں ہاتھ کھڑا' غلام چائے دان سے اس کی ننھی پیالی میں سُرعت سے قہوہ انڈیل رہا تھا۔ دھار برابر تھی۔ ایک قطرہ بھی باہر نہیں چھلکا تھا۔

(مثبت سوچ! مجھے یہ مثبت سوچ رکھنی ہے کہ جو بری بات یہ شخص میرے بارے میں منہ سے نکال رہا ہے' یہ اس کی رائے ہے اور جیسے اس کی زندگی کے بارے میں بہت سی دوسری آرا غلط ہو سکتی ہیں' ویسے ہی یہ بھی غلط ہے۔)

تالیہ اور اتالیق لکڑی کی میز کے دونوں سروں پہ بیٹھے تھے۔ اس نے زور سے پانی کے پیالے پہ ہاتھ مارا۔ پانی چھلکا۔ اتالیق نے دوبارہ کرنے کو کہا۔ اس نے دوبارہ سیدھا ہاتھ مارا مگر اتالیق نے جلدی سے پیالہ ہٹا لیا۔ اس کا ہاتھ میز پہ پوری قوت سے لگا۔ لکڑی کی میز تڑاخ سے تین ٹکڑوں میں بٹ گئی۔ تالیہ کی آنکھیں حیرت اور استعجاب سے پھیل گئیں۔

(اور کسی کی غلط بات کے پیچھے صرف بے وقوف لوگ اپنا موڈ خراب کرتے ہیں۔)

اس کے سامنے tapestry (موٹا بُنا ہوا کپڑا جو آرائش کے لیے دیواروں پہ لٹکاتے ہیں) رکھی تھی اور وہ کھڑے کھڑے اس پہ مہارت سے سوئی سے ٹانکے کاڑھے جا رہی تھی۔ ایک پورٹریٹ سا نقش ہو رہا تھا۔ وہ مسکرا کے رفتار تیز کرنے لگی۔

(میں یہ نہیں جانتا کہ کس طرح مجھے وان فاتح کی طرح ہمیشہ جیت کا سوچنا ہے یا مستقبل کے خوف سے نکل آنا ہے۔ میں واقعی نہیں جانتا مگر میرے خیال میں' زندگی کو جتنا اب تک میں سمجھا ہوں' اگر میں مثبت انسان بننا چاہتا ہوں تو مجھے سب سے پہلے اپنے موڈ' اپنی مسکراہٹ اور اپنے آنسوؤں کا اختیار دوسروں کی زبانوں سے واپس لینا ہوگا۔)

وہ سلائیوں کو ہاتھ میں پکڑے' باغیچے میں کرسی پہ بیٹھی' تیزی سے اون کے دھاگے کو بُنے جا رہی تھی۔ الٹا' سیدھا' اون کے گھر' ہر شے اس کے ہاتھوں میں بہت آسان ہوتی جا رہی تھی۔

(جب تک میں ہر آدمی کی رائے پہ دکھی ہوتا رہوں گا یا جواب میں اس پہ غصہ کرتا رہوں گا' میں بڑا آدمی نہیں بن سکتا۔)

وہ چمٹے کی مدد سے بھنی ہوئی بوٹیاں اٹھا اٹھا کے طشتری میں رکھ رہا تھا۔ سارے باورچی خانے میں باربی کیو کا دھواں اور مہک پھیلی تھی۔ باورچی نے کلیجی کے ایک ٹکڑے کو منہ میں رکھا تو اس کے تاثرات خوشگوار ہو گئے لیکن پھر چہرہ سنجیدہ بنائے آگے بڑھ گیا۔

(میں یہ بھی نہیں جانتا کہ بڑا آدمی کون ہوتا ہے مگر اتنا ضرور معلوم ہے مجھے کہ سارے بڑے آدمی مثبت سوچ والے لوگ ہوتے ہیں۔ ہاں یہ ایک بات مجھے اچھے سے معلوم ہو گئی ہے۔)

اتالیق کتاب اٹھائے اس سے کچھ پوچھ رہا تھا اور وہ سامنے کرسی پہ مودب بیٹھی' کتاب کو دیکھے بغیر مسکرا کے لفظ بہ لفظ سب سنائے جا رہی تھی۔

(انسان کو چھوٹا اس کی سوچ بناتی ہے۔ بڑی سوچ' اچھی سوچ اسے آزاد کرتی ہے۔)

وہ چھرا ہاتھ میں لیے لکڑی کے تختے پہ کھٹ کھٹ سرخ ہری سبزیاں کاٹ رہا تھا۔

(اگر میں اپنی سوچ کو آزاد کرنا سیکھ جاؤں' اور میں اپنے ہر قسم کے خوف کو دل سے نکال دوں' تو میں اتنا ہی ٹھنڈا اور آزاد انسان بن جاؤں گا جتنا فاتح صاحب ہیں۔ جتنے سارے بڑے لوگ ہوتے ہیں۔ ہاں میں ابھی سارے گر نہیں سیکھ پایا لیکن تھوڑی بہت زندگی کی حقیقت مجھے معلوم ہو رہی ہے۔)

تالیہ تیر کمان کو تانے فضا میں نشانہ باندھے' زور

www.urdusoftbooks.com

سے کمان کھینچ رہی تھی۔ تیر فضا میں اڑتا ہوا سیدھا ایک پرندے کے اندر پیوست ہو گیا۔ اس نے مسکرا کے کمان نیچے کی۔ پرندہ گھائل ہو کے نیچے آن گرا۔

(اور جو ہمیں معلوم ہوتا ہے' وہ ہماری جان ہمیشہ بچاتا رہے گا)

ایڈم نے سیاہی میں ڈوبا قلم پرے رکھا اور اداس مسکراہٹ سے کاغذ اٹھا کے دیکھا۔ اس پہ سیاہی ابھی گیلی تھی۔ اس نے کاغذ کا کنارہ چراغ کے شعلے پہ سلگایا۔ آگ نے کاغذ کو پکڑ لیا اور وہ پھیلنے لگی۔ وہ اپنے الفاظ کو جلتے ہوئے دیکھنے لگا۔

چند ہی لمحوں میں اس کے الفاظ راکھ کا ڈھیر بن گئے۔

قدیم ملے میں لکھے خوبصورت' پختہ الفاظ۔

☆☆☆

(چار ہفتے بعد)

اس صبح سورج نکلتے ہی بادل ایسے چھائے کہ آسمان پھر سے سیاہ پڑنے لگا۔ سارے پہ چھاتا سا تن گیا اور ٹپ ٹپ بارش برسنے لگی۔

محل کے کتب خانے کی کھڑکی کے ساتھ کرسی میز پہ بیٹھے ایڈم نے کتاب سے سر اٹھا کے کھڑکی کے شیشے سے تڑتڑ ٹکراتی بوندوں کو دیکھا اور پھر چہرہ موڑا۔ مناسب خوراک اور صاف لباس کے باعث وہ نارمل لگ رہا تھا۔

''کیا میں اب شہزادی تاشہ سے مل سکتا ہوں؟ چار ہفتے سے میں قید ہوں اور شہزادی اول روز کے بعد دوبارہ مجھ سے نہیں ملیں۔'' انداز شکایتی تھا مگر لہجہ صاف تھا۔

پیچھے کھڑے پہرے دار سپاہی نے بس ایک تیز نظر اس پہ ڈالی۔

''شہزادی آج کل اتالیق کے ساتھ مصروف ہیں۔ اور وہ ہر وقت قیدیوں سے ملاقات نہیں کرتیں۔ اس لیے اپنے کام سے کام رکھو۔''

ایڈم نے گہری سانس لے کر چہرہ واپس کتاب پہ جھکا دیا۔ اس کے ساتھ کے دونوں قیدیوں کو شہزادی کے فرمان کے مطابق رہا کر دیا گیا تھا۔ ایک وہ ہی رہ گیا تھا۔ مگر اس دوران وہ قدیم ملے بول' سمجھ اور لکھ لیتا تھا۔ وہ جدید ملے سے بہت زیادہ مختلف نہ تھی۔ پھر بہت سی کتابیں یہاں دستیاب تھیں اور کتابیں پڑھنے میں وہ ہمیشہ سے اچھا رہا تھا۔

کتب خانے سے دور محل کے ایک اونچے مینار میں بنی کھڑکی' شہزادی تاشہ کی خواب گاہ میں کھلتی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کھڑکی پہ بھی بوندیں تڑاتڑ برسے جا رہی تھیں۔

اندر پلنگ پہ ٹیک لگائے تالیہ بیٹھی تھی۔ ریشمی لحاف سینے تک ڈالے' وہ شب خوابی کے لباس میں تھی۔ بال کھلے تھے اور ہاتھوں میں کوئی کتاب پکڑ رکھی تھی۔ بار بار جمائی روکتی تھی۔ قریب شریفہ ہاتھ باندھے کھڑی بتا رہی تھی۔

''سلطان مرسل کو پیغام بھجوایا تھا کہ آپ ملاقات کرنا چاہتی ہیں۔ پچھلے چار ہفتوں میں کئی بار پیغام پہنچا چکے ہیں ہم مگر ملکہ یان سوفو منع کروا دیتی ہیں۔ آپ اپنے بابا سے کیوں نہیں کہتیں کہ وہ سلطان سے آپ کی ملاقات کروا دیں۔'' (یان سوفو کی سلطان سے شادی ہو چکی تھی اور اب وہ ملکہ بن کے سلطان کے محل میں منتقل ہو چکی تھی۔ تالیہ شادی پہ نہیں گئی تھی۔ ابھی وہ اتنے سارے لوگوں کا سامنا کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔)

''رہنے دو۔'' کتاب پڑھتے پڑھتے تالیہ نے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔ ''بابا کو کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

وہ کافی دن سے سلطان سے ملنے کی کوشش کر رہی تھی مگر ملکہ اس کے قاصد کو سلطان تک پہنچنے سے قبل ہی واپس بھیج دیتی تھی۔

''آپ اتالیق کے ساتھ چند گھنٹے گزارنے کے سوا سارا دن اس کمرے میں پڑی رہتی ہیں۔ آپ بیمار تو نہیں ہیں شہزادی؟ میں اس لیے پوچھ رہی ہوں کیونکہ اتنے پُرتعیش کمرے اور ہر طرح کی اچھی

خوراک کے باوجود بھی آپ اداس نظر آتی ہیں۔"

تالیہ نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔ (کیونکہ یہاں زندگی بہت آسان ہے۔ یہ دنیا بہت مختلف ہے۔ یہاں کھانے کو بہت کچھ ہے۔ تلے ہوئے' بھنے ہوئے گوشت سے بھرپور کھانے۔ اتنی کیلوریز۔ اور پھر یہاں میں میلوں جاگنگ نہیں کر سکتی۔ یہاں جم نہیں ہے۔ یہاں پارٹیز نہیں ہیں۔ یہاں سوئمنگ نہیں کی جا سکتی۔ صرف ایک چیز ہے۔ ٹارگٹ۔ راجہ کی دسترس سے وہ چابی چرانی ہے مجھے۔ سارے پلان اسی کے گرد گھومتے ہیں۔)

سوچتی رہی مگر بولی کچھ نہیں۔ پھر احساس ہوا شریفہ کچھ کہہ رہی ہے وہ چونکی۔ "کیا؟"

"آپ کو ابوالخیر کی حویلی میں دلچسپی تھی نا شہزادی۔ آج شام ابوالخیر نے راجہ مراد کو اپنے ہاں دعوت پہ مدعو کیا ہے۔ سلطان مرسل اور ملکہ بھی وہاں ہوں گے۔"

"اچھا!! واقعی۔" وہ کتاب پرے پھینک کے ایک دم سیدھی ہوئی۔

("کھانے کی دعوت ہے۔ جانے کھانا کون بنا رہا ہوگا؟") دل اس خیال پہ زور سے دھڑکا۔ چہرہ تمتما اٹھا۔ "تم میرا بہترین لباس اور زیور تیار کرو۔"

"آپ.... آپ بھی جائیں گی دعوت میں؟"

"تاشہ کو کوئی روک کے دکھا سکتا ہے کیا؟" وہ شریفہ کو دیکھ کے مسکرائی تھی۔

☆☆☆

ابوالخیر کی حویلی کے احاطے میں بنی جیل شام ڈھلتے ہی بھرنے لگی تھی۔ قیدی غلاموں کو واپس لا کے اس میں بھرا جا رہا تھا۔ سارے دن کی مشقت کے بعد تھکے ہارے قیدی اندر آ کے نڈھال سے اِدھر اُدھر لڑھکنے لگے تھے۔

ایسے میں صرف وہی غلام باہر تھے جو احاطے کے دوسرے کاموں پہ مامور تھے یا جن کو حویلی کے اندر خدمت پہ رکھ لیا گیا تھا' جیسے فاتح رامزل جو باورچی خانے میں کام کر رہا تھا۔

وہ سر جھکائے کھڑا مچھلی کے قتلے بناتا نظر آتا تھا۔ ماتھے پہ مقامی لوگوں کی طرح پٹی باندھ رکھی تھی۔ سرمئی پاجامے کے اوپر کرتے کی آستینیں کہنیوں تک موڑ رکھی تھیں۔ رنگت کافی جھلس گئی تھی۔ پہلے سے کمزور بھی لگ رہا تھا گو کہ اسے اچھی غذا ملتی تھی مگر وہ جو بہت مناسب ڈائٹ فوڈ کھانے کا عادی تھا' اسے یہ غذا اب کہیں جا کے بمشکل راس آئی تھی' ورنہ شروع شروع میں اکثر معدہ الٹنے کو آ جاتا تھا۔ مگر وہ تحمل سے برداشت کر لیتا تھا۔

ایک ساتھی باورچی ساتھ آ کے کھڑا ہوا اور چولہے پہ چڑھے پتیلے کا ڈھکن اتار کے دیکھنے لگا تو فاتح نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

"کون آ رہا ہے جس کے لیے اتنا اہتمام کیا جا رہا ہے؟" وہ اب قدیم ملے کے چند الفاظ بول اور سمجھ لیتا تھا۔ ایڈم جیسی شستہ تو نہیں کر ـــــ مگر اشاروں اور چند الفاظ سے بات سمجھا لیتا تھا۔

"سلطان مرسل.... ملکہ یان سوفو.... بنداہارا راجہ مراد...." دوسرا باورچی مہمانوں کے نام گنواتا گیا۔

فاتح کے سبزی کاٹتے ہاتھ دھیمے پڑے۔

"کیا بنداہارا کے ساتھ کوئی اور نہیں آئے گا؟" سر جھکائے سرسری سا پوچھا۔

"مثلاً کون؟" وہ دیگچے میں ڈوئی ہلا رہا تھا۔

"ملکہ ایک خاتون ہیں اور ابوالخیر کے گھر میں کوئی خاتون نہیں رہتی تو کیا ملکہ تنہا بیٹھیں گی؟ کس سے باتیں کریں گی؟" مزید سرسری سا پوچھا۔

"وہ تنہا کیوں ہوں گی۔ ان کے سب سے معزز قرابت دار کو جو مدعو کر رکھا ہے ابوالخیر نے۔"

"کون؟" وہ چونکا۔ غلام نے ڈھکن واپس رکھا اور ایک اچٹتی نظر اس پہ ڈالی۔

"وہ جس کو ابوالخیر ہر چند دن بعد حویلی میں بلا لیتے ہیں۔ جو رات گئے تک یہاں بیٹھا ملکی امور پہ گفتگو کرتا ہے اور شطرنج کھیلتا ہے.... سن باؤ تائی ژیان۔ (تین نگینوں والا غلام۔)"

فاتح نے اتنی تیزی سے گاجر کا ٹکڑا کاٹا کہ چھنٹے

کی زوردار آواز آئی۔ فوراً سے چہرہ اٹھایا تو اس پہ مختلف رنگ تھے۔ جیسے وہ شاک میں ہو۔

"سن باؤ۔ (تین خزینے) تائی ژیان (غلام)؟" باورچی کو دیکھ کے دہرایا۔ "یعنی چینی بادشاہ کا تائی ژیان (مخنث غلام) جو ملکہ یان سوفو کے ساتھ چین سے آیا تھا۔ کیا نام ہے اس کا؟"

"وانگ لی۔ مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

فاتح کا چہرہ یوں تھا گویا سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔ پھر وہ جبراً مسکرایا۔ "مجھے اس کو دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ کیا آج میں برتن لگا سکتا ہوں؟"

باورچی نے چونک کے اسے دیکھا' پھر فوراً دور کھڑے بوڑھے نگران کو۔ اس کا چہرہ جیسے دمک اٹھا تھا۔ "ہاں کیوں نہیں۔ تم سب سیکھ تو چکے ہو۔ میں تمہارے کمرے میں آج آرام کرلوں گا۔ تم نگران کو کہنا میری طبیعت خراب ہے۔"

"فکر نہ کرو۔ میں تمہاری جگہ سنبھال لوں گا۔" وہ بدقت مسکرایا۔

"تو پھر یہ شوربہ تم ہی اندر لے جاؤ۔ وانگ لی کب کا آیا بیٹھا ہے۔ ابھی دوسرے مہمان نہیں آئے۔" دیگچے کی طرف اشارہ کرکے وہ غلام خوشی خوشی پیچھے ہٹ گیا۔ فاتح نے دور دوسرے ملازموں کے سر پہ کھڑے نگرانی کرتے بوڑھے کو دیکھا اور گہری سانس لی۔ چند منٹ اس کو راضی کرنے میں بھی لگنے تھے۔

جس لمحے وہ لکڑی کی طشتری میں چاندی کے پیالے میں شوربہ رکھے باورچی خانے سے نکلا تو سامنے طویل راہداری نظر آرہی تھی۔ وان فاتح قدم قدم آگے بڑھنے لگا۔

(یہ سن باؤ وانگ لی کا مجسمہ ہے۔ سن باؤ.... یعنی تین خزانے یا نگینے۔ بدھ مت کے تین نگینے ہوتے ہیں (تین عقائد)۔ بدھا۔ دھرما۔ سنگھا۔)

وہ طشتری اٹھائے راہداری میں آگے چلتا جارہا تھا۔ بار بار لب کاٹتا۔ سر جھٹکتا۔

(وانگ لی ایک چینی غلام تھا۔ پندرھویں صدی میں وہ اپنی ذہانت اور صلاحیت کے بل بوتے پہ کم عمری میں ہی محل میں اعلا مقام حاصل کرلیتا ہے۔)

اس نے راہداری کا موڑ کاٹا اور بڑے سے دیوان خانے میں داخل ہوا۔ وہاں ایک کونے میں شطرنج کی بساط میز پہ بچھی تھی اور اس کے گرد دو کرسیوں پہ آمنے سامنے وہ دونوں بیٹھے تھے۔ ابوالخیر اور.... اور وانگ لی۔

(پھر وہ چینی بادشاہ کا خاص سفیر مقرر ہوتا ہے اور ایک بہت بڑا تاجر بن جاتا ہے۔)

فاتح ان کے قریب آیا اور ادب سے طشتری سے پیالہ نکال کے ابوالخیر کے سامنے رکھا۔

ابوالخیر مہندی رنگ کے لمبے بالوں والا آدمی تھا۔ جیسے ببر شیر کے بال اس کے چہرے کے دائیں بائیں پڑے ہوتے ہیں۔ اس کی ایک آنکھ تیر لگنے سے ضائع ہوچکی تھی مگر وہ اس کے اوپر کسی قسم کا پیچ نہیں پہنتا تھا۔ "ہیئت' مجروح' کانی آنکھ جو پھولے انگور کی طرح تھی' اسی طرح سب کو نظر آتی رہتی اور طبیعت عجیب کردیتی۔ غلام دبے الفاظ میں اس کو 'کانا دجال' بھی کہتے تھے۔

(یہ گھر وانگ لی نے بنوایا تھا۔ میں چھوٹا تھا تو ایک دفعہ یہاں آیا تھا۔ تب کسی کو نہیں معلوم تھا کہ یہ وانگ لی کا گھر ہے۔)

پھر وہ ترچھا ہوا اور دوسرا پیالہ وانگ لی کے سامنے رکھا اور پھر.... نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔

(میں بابا کے ساتھ سامنے کسی دکان پہ بیٹھا تھا' پھر ادھر آگیا۔ یہ مجسمہ.... تب یہ ٹوٹا پھوٹا سا تھا۔ عصرہ نے بعد میں اس کو ٹھیک کروایا۔ یہ مجسمہ مجھے بہت پسند آیا تھا۔)

وہ فربہ سا' لمبے سیدھے سیاہ بالوں والا ایک ادھیڑ عمر چینی شخص تھا۔ پیروں تک آتا چغہ پہن رکھا تھا اور ٹھوڑی تلے ہتھیلی رکھے سوچ میں ڈوبا شطرنج کی بساط کو دیکھ رہا تھا۔ سارے بال پتلی پتلی مینڈھیوں میں بندھے تھے۔ سر پہ چینی طرز کی ٹوپی تھی۔ پھولے گال اور چھوٹی آنکھیں۔ اور چہرے کی وہ سادگی۔ ہو بہو مجسمے سا۔

(عجیب کشش تھی اس مجسمے میں۔ اب بھی ہے۔

مانوسیت۔ اپنائیت.... جیسے کوئی دوست ہوتا ہے نا۔)

وانگ لی نے یکدم نظر اٹھا کے اس غلام کو دیکھا اور ہلکا سا مسکرایا' پھر شوربے کا پیالہ اپنے آگے کرتے ہوئے دوبارہ توجہ شطرنج کی طرف مبذول کرلی۔

''تمہاری چال کا توڑ سوچ رہا ہوں' ابوالخیر۔ کیوں نا یہ پینے تک ہم کھیل کو روک دیں۔'' شوربے (سوپ) کو چمچ میں بھرتے ہوئے وہ بولا تھا۔ انداز میں ایک خوش مزاجی اور زندہ دلی تھی۔ جیسے وہ بات بہ بات ہنس دینے کا عادی ہو۔

(کس نے بنایا تھا یہ مجسمہ؟)

''میری چال کا توڑ کرنا اتنا آسان نہیں ہے' وانگ لی۔ میں وہاں سے آتا ہوں جہاں سے دوسروں کے فرشتوں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔''

وان فاتح خالی طشتری اٹھائے پلٹ گیا۔ اب وہ قدم قدم آگے بڑھ رہا تھا۔

(کس نے بنایا تھا یہ مجسمہ؟) سکندر نے اس کو روک کے پوچھا تھا۔

(شہزادی تاشہ نے۔) اس نے جواب دیا تھا۔

وہ اب واپس راہداری میں جا رہا تھا۔ باورچی خانہ چند گز کے فاصلے پہ تھا۔

(پھر تاشہ کا کیا ہوا؟)

(معلوم نہیں.... کہتے ہیں اس کی کہانی کا انجام دکھی تھا۔ مگر وہ اکثر سن باؤ کے گھر آیا کرتی تھی۔ اسی نے یہ مجسمہ بنایا تھا۔ کہتے ہیں سن باؤ سے اس کی دوستی تھی۔ یا معلوم نہیں کیا تھا جو وہ اس گھر میں اکثر آتی تھی۔)

باورچی خانے میں واپس آ کے وان فاتح نے طشتری (ٹرے) میز پہ دھری اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔

وقت بھی کیا عجیب چیز ہے۔ اس کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ یہ کب کسی کو کہاں لے جائے' کیا سے کیا بنا دے۔

☆☆☆

شام مزید گہری ہوئی اور مغرب اتر آئی تو رات کے کھانے کا وقت ہو چلا۔ ملاکہ میں لوگ سرِشام ہی کھانا کھا کے سو جاتے تھے۔ پھر علی الصباح فجر کی پہلی اذان کے ساتھ اٹھتے اور کاموں میں جت جاتے۔

ابوالخیر کے دیوان خانے میں آدھ درجن فانوس جگمگا رہے تھے۔ طویل کھانے کی میز پہ جگہ جگہ کینڈل برار رکھے تھے جن میں لمبی کھڑی موم بتیاں سارے کو روشن کر رہی تھیں۔ خوبصورت دیوان خانے میں وہ زرد روشنی خوابناک سا ماحول بنائے ہوئے تھی۔

سربراہی کرسی پہ سلطان مرسل بیٹھا تھا' جو بہت مرغوبیت سے بھنے ہرن کا گوشت کھا رہا تھا۔ سر پہ قیمتی پتھروں سے مزین ٹوپی اور نیچے سرخ زرتار چغہ پہنا تھا۔ وہ بمشکل چوبیس پچیس برس کا خوش شکل اور لاابالی سا نوجوان لگتا تھا۔ لمبے بال چوٹی میں بندھے تھے۔

اس کے دائیں ہاتھ پر ملکہ یان سوفو بیٹھی تھی۔ لاپروا' شوہر کی نسبت وہ سلجھے ہوئے انداز میں کھانا تناول کر رہی تھی اور بار بار چھوٹی آنکھوں سے اطراف کا جائزہ بھی لیتی تھی۔ سن باؤ وانگ لی' ملکہ کے ساتھ ہی بیٹھا تھا اور وہ کھانا کھاتے ہوئے عادتاً مسکرا کے ذائقے کی تعریف بھی کر رہا تھا۔

سلطان کے بائیں ہاتھ پر موجود ابوالخیر بس خاموشی سے کھانا کھا رہا تھا' البتہ وہ کچھ بے چین تھا۔ بار بار اپنے ساتھ بیٹھے مراد کو دیکھتا جو اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی تسلی دے دیتا۔ وہ سب سے زیادہ مطمئن' پرسکون اور پُراعتماد تھا۔ جیسے وہاں موجود ہر شخص کی سوچ سے واقف ہو۔ جب ابوالخیر کی نگاہوں کا اصرار بڑھتا گیا تو مراد نے مسکرا کے مرسل شاہ کو مخاطب کیا۔

''آقا.... جیسا کہ میں نے ذکر کیا تھا کہ محل کو اس وقت ایک نئے خزانچی کی ضرورت ہے۔ ایک قابل وزیرِ خزانہ۔ جو محل میں سارے ملک سے آئے گئے خراج اور محصول (ٹیکس) کا حساب رکھ سکے اور اسے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے اچھے سے خرچ کر سکے۔ میں اسی سلسلے میں آپ سے بات کرنا چاہتا تھا۔''

"ہاں تو کرو نا" دونوں کہنیاں میز پہ جمائے مرسل نے خوش دلی سے کہا اور پھر دانتوں سے ہرن کی بوٹی توڑی۔ ذائقہ منہ میں گھلا تو اس نے جیسے سر دھنا۔ "ابوالخیر تم اتنا اچھا ہرن بنا سکتے ہو۔ تمہیں تو ہمارے شاہی باورچی خانے میں ہونا چاہیے۔ اپنا ہرن تو میری ماں بھی نہیں بنا سکتی۔" ساتھ ہی وہ ہنسا۔ جواباً کوئی بھی نہ ہنسا۔ ملکہ نے آنکھیں میچ کے جیسے ضبط کیا اور ابوالخیر نے ایک شاکی نظر مراد پہ ڈالی۔ مراد نے جواباً پلکیں جھپکا کے اشارہ کیا۔ (دھیرج۔ صبر ٹھنڈا کر کے کھاؤ۔)

ابوالخیر نے سر جھکا اور مسکرا کے بولا۔ "آقا کو پسند آیا' میری خوش نصیبی ہے۔"

وانگ لی نے محض ایک افسردہ نظر مرغوبیت سے کھانا کھاتے سلطان پہ ڈالی۔ اسے جیسے ملاکہ کی قسمت پہ افسوس ہوا تھا۔

دروازے پہ آہٹ ہوئی تو ابوالخیر نے نظر اٹھائی۔ نیا غلام صراحی اندر لا رہا تھا۔ ابوالخیر نے سر کے خم سے اسے تائیدی اشارہ کیا تو فاتح اندر آیا' رواج کے مطابق جھک کے سلطان کو سلام کیا۔ باقی سب کھانے میں اور اپنی سوچ میں گم تھے' اور سلطان کھانے میں۔ ایسے میں صرف وانگ لی نے محسوس کیا' کہ اس توانا' وجیہہ مرد غلام نے سلطان کے سامنے سر جھکاتے ہوئے بھی گردن پوری نہیں جھکائی' اور اپنی آنکھیں مسلسل اٹھائے اس نے ٹھہری نظروں سے سلطان کو بغور دیکھا تھا۔ پھر سیدھا کھڑا ہوا' نظریں جھکا دیں اور صراحی سے سلطان کی پیالی میں قہوہ انڈیلنے لگا۔

وانگ لی یوں ہی اس کو دیکھنے لگا۔ قہوے کی دھار پیالی میں گر رہی تھی۔ فاتح کی نظریں جھکی تھیں۔ ایک دم اس نے نظریں اٹھائیں اور وانگ لی کو دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں۔

غلام کی نظروں میں ایسی چمک تھی.... ایسا ٹھنڈا آدمی لگا تھا وہ اس کو کہ وانگ لی نظر نہ جھکا سکا۔ پھر فاتح نے نظریں جھکا دیں اور اپنا کام کرنے لگا۔

یکدم دروازے پہ ہلچل مچی۔ ابوالخیر چونک کے اٹھا.... سلطان نے بھی چہرہ اٹھایا۔

"کیا کوئی اور بھی مدعو ہے' ابوالخیر۔" مرسل شاہ کے چہرے کے زاویے بگڑے۔ باہر سے تیزی سے خادم اندر داخل ہوا اور ہاتھ باندھ کے سر جھکا کے اطلاع دی۔

"شہزادی تاشہ بنت مراد تشریف لائی ہیں۔"

میز پہ بیٹھے سب افراد چونکے تھے۔ اور سر جھکائے قہوہ انڈیلتا فاتح ہلکا سا مسکرایا تھا۔

One a socialite
Always a socialite!
(ایک سوشلائیٹ ہمیشہ سوشلائیٹ ہوتی ہے)
(وہ یقیناً پارٹیز کو مس کرتی ہے)

ابوالخیر نے فوراً اثبات میں سر کو جنبش دی۔ پہرے داروں نے دیوان خانے کے دروازے کھولے۔ چوکھٹ پہ وہ کھڑی تھی۔

وہ دو پیالوں میں قہوہ انڈیل چکا تھا۔ صراحی سیدھی کر کے نظریں اٹھائیں تو وہ اندر داخل ہوتی دکھائی دی۔

سنہرے بال گھونگریالے کر کے آگے ڈالے تھے۔ سر پہ حجاب کے نام پہ ریشمی سبز کپڑا تھا جو برائے نام تاج تلے اٹکا تھا اور پیچھے کمر پہ گرتا تھا۔ وہ پاؤں تک آتی لمبی کامدار میکسی پہنے ہوئے تھی۔ گھاس جیسے سبز رنگ کی میکسی اور موٹے موٹے زمرد سے جڑے زیورات۔ ایسا خوبصورت سبز رنگ کہ چہرہ دور سے دمکتا دکھائی دیتا تھا۔

اس نے قہوہ ڈالتے غلام کو ایک نظر بھی نہ دیکھا۔ بس خوبصورت آنکھیں سلطان پہ جمائے رکھیں۔

"دیر سے آنے کے لیے معذرت چاہتی ہوں' آقا۔ آج طبیعت ذرا ست تھی۔ تیاری میں وقت لگا۔" سامنے آ کے پوری جھکی اور سیدھی ہوئی۔

سلطان مرسل نے پرندے کی بوٹی دانت سے توڑتے نظریں اٹھائیں تو ٹھٹک گیا۔ وہ سجی سنوری لڑکی اب باقی سب کو باری باری تعظیم پیش کر رہی تھی۔ مرسل شاہ کی نظر اس سے ہٹنا بھول گئی۔

ملاکہ میں سنہرے بالوں والی عورت اس نے پہلی دفعہ دیکھی تھی۔ وہ بھی اتنی حسین۔

"آپ کی آمد ہمارے لیے فخر کا باعث ہے شاہزادی۔" ابوالخیر اٹھا اور سر کو تعظیم سے جھکایا۔ خادم نے سلطان کی سیدھ میں پڑی میز کی دوسری سربراہی کرسی اس کے لیے کھینچی۔ وہ مسکرا کے لباس پھول کی طرح گرد پھیلاتی اس پہ بیٹھی تو سلطان ہنوز اسے تک رہا تھا۔

"مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ بھی مدعو ہیں' شہزادی!" ملکہ بظاہر مسکرا کے بولی تو راجہ مراد ہلکا سا کھنکھارا۔

"ابوالخیر نے بمع اہل و عیال مدعو کیا تھا' اور تاشہ ہی میرا پورا خاندان ہے۔" کہہ کے وہ گھونٹ گھونٹ قہوہ پینے لگا۔

"آپ کی بہن کے بارے میں سن کے افسوس ہوا۔" سلطان مرسل نے زبان کھولی۔ پھر مدد طلب نظروں سے بائیں ہاتھ بیٹھی بیوی کو دیکھا۔

"تالیہ" اس نے سرگوشی کی۔

سلطان نے فقرہ دہرایا۔ "آپ کی بہن تالیہ کے بارے میں سن کے افسوس ہوا۔ کیا اس کی کوئی خیر خبر ملی؟"

صراحی میز پہ رکھ کے فاتح قدم قدم پیچھے ہٹا اور ابوالخیر اور مراد کی کرسیوں کے عقب میں جا کھڑا ہوا۔ اس سوال پہ اس نے بھی تالیہ کی طرف نگاہیں موڑ دیں۔

"آپ کا شکریہ' آقا۔" اس کے چہرے پہ اداسی پھیلی۔ "تالیہ ایسی کھوئی ہے کہ نہ جانے اب واپس آسکے گی بھی یا نہیں۔ خدا معلوم کیسے لوگوں کے چنگل میں پھنس گئی ہو۔ برے برے خیال آتے ہیں مجھے۔ جیسے وہ کسی قید میں ہے اور بے بس ہے۔"

مراد نے گھونٹ بھرتے ہوئے غور سے اسے دیکھا' پھر خاموشی سے سلطان کو' جس نے افسوس سے سر ہلا دیا تھا۔

"اللہ پاک آپ کی مشکلات آسان کرے۔" پھر ذرا کھنکھارا اور ٹوکری سے ایک پھل نکال کے اس میں دانت گھاڑے۔

(ملکہ اب پریشان نہیں ہوئی کیونکہ وہ اس طرف متوجہ ہی نہیں تھی۔ وہ بار بار نا گواری سے تالیہ کو دیکھتی تھی جو کھانا شروع کر چکی تھی۔)

"چین کے کس شہر میں اتنے برس گزارے ہیں آپ نے؟"

"دارالحکومت میں کچھ عرصہ رہی ہوں۔" وہ سادگی سے بولی۔ "مگر اس سے زیادہ وقت ایک چھوٹے سے گاؤں میں گزارا ہے۔ اس کا نام تو کچھ اور ہے مگر میں اس کو کوالالمپور کہتی تھی۔"

ہاتھ باندھے کھڑے فاتح نے ابرو اکٹھے کر کے تادیبی نگاہوں سے اسے دیکھا مگر وہ سوپ میں چمچ ہلاتی' سلطان کو دیکھ کے سادگی سے بتا رہی تھی۔ "کوالالمپور۔ یعنی گدلے پانیوں کا سنگم۔"

"واہ۔ اور کیسا تھا آپ کا کوالالمپور؟" وہ پھل کا ٹکڑا چباتے ہوئے محظوظ سا اسے دیکھ رہا تھا۔

تالیہ نے ایک نظر چھت اور اطراف پہ ڈالی۔

"اس دنیا سے بہت مختلف۔ ایک ترقی یافتہ خوبصورت شہر۔ جہاں ہر قسم کا عیش میسر تھا' مگر لوگ خالص نہیں تھے۔ وہ لالچ' اور طاقت کی ہوس کا شکار تھے۔

وہاں کچھ لوگ بھیس بدل کے دوسروں کی قیمتی چیزیں چرا لیتے تھے۔ رات کی تاریکی میں نقب لگا جاتے تھے۔ اور کچھ...." وہ اداسی سے مسکرائی۔

"کچھ دن دہاڑے' بھیس بدلے بغیر سیاست کے نام پہ لوگوں سے ان کا اعتماد مانگتے' اور پھر حکومت کے بہانے خراج کے پیسوں کو بے نامی جائیدادوں میں چھپا دیتے ہیں۔ کھلم کھلا چوری۔

"وہاں ایسے ایسے ملازم بھی تھے جو ایک شخص کی چاکری کرتے مگر تنخواہ کسی اور سے لیتے ...." (فاتح بس اس کو دیکھ رہا تھا۔ باقی سب بھی سن رہے تھے اور وہ بولے جا رہی تھی۔)

"وہاں ایسی طاقتور بیویاں بھی تھیں جو بیٹھے

بولوں سے دوسروں سے فائدے حاصل کرتیں اور پھر مکھی کی طرح ان کو نکال باہر کرتیں۔ (یان سوفو نے پہلو بدلا)

"وہاں ایسے بدعنوان عہدیدار بھی تھے جو عوام کے خراج کے پیسوں سے ڈھیروں جائیدادیں اور اونچے قلعے نما گھر بنا لیتے تھے۔ (ابو الخیر داڑھی کو نوچتے ہوئے' سوچتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔)

"وہاں ایسے حکمران بھی تھے جو اپنی ناک تک نہیں پونچھ سکتے تھے مگر ان کو حکومت کے لیے ان کے ماں یا باپ کی گدی پہ بٹھا دیا جاتا تھا۔

(وانگ لی نے فوراً سلطان کی طرف دیکھا مگر یہ باتیں اس بگڑے بادشاہ کی عقل سے اوپر کی تھیں۔)

"وہاں لوگوں کو خراج اور سودی معاشی نظام کے ذریعے ان دیکھی زنجیروں میں باندھا جاتا تھا۔ قوموں کی قومیں قرضے دے دے کے غلام بنا لی جاتی تھیں۔ دن رات وہ غلام قومیں مشقت کرتی تھیں مگر ان کی زنجیریں ان کو بھاگنے دوڑنے تک نہیں دیتی تھیں اور وہ اپنے حقوق سے بے خبر کام کرتے رہتے تھے۔

کوالالمپور' ملاکہ سے بہت مختلف تھا میرے آقا! وہاں عوام کے خراج کا پیسہ چوری کیا جا رہا تھا مگر عوام کو خبر ہی نہ تھی۔ مگر وہاں بھی ایک آدمی ایسا تھا جس سے مجھے امید تھی کہ وہ سب سے مختلف ہے۔"

اس نے نظریں موڑ دیں اور راجہ مراد کو دیکھا۔ وان فاتح اس کے پیچھے کھڑا تھا' مگر وہ مراد کو دیکھتی رہی۔ سب کی نگاہیں مراد کی طرف مڑیں۔

"مجھے یقین ہے کہ وہی ایک ایسا شخص ہے جو ملاکہ کے لوگوں کے مسائل حل کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس نے اپنی بیٹی کو کھونے کا دکھ سہا ہے۔"

مراد ہلکا سا مسکرایا' اور سر قدرے جھکا لیا۔ تالیہ نے نظریں ذرا اوپر اٹھائیں۔ فاتح اسی کو دیکھ رہا تھا۔ دونوں کی نگاہ ملی۔ کچھ نہ تھا ان نگاہوں میں۔

"وہ ایسا شخص ہے جو سیاست اور حکومت کے فن سے آشنا ہے۔ ایک وہی ہے جو مجھے لگتا تھا کہ اگر میرے ملک کا سب سے طاقتور عہدہ سنبھال لے .... وزیراعظم بن جائے .... یعنی کہ بندا ہارا.... تو میرے ملک کے اکثر مسائل حل ہو جائیں گے۔"

اس نے نظریں سلطان کی طرف موڑیں۔ "اسی لیے میں واپس آئی ہوں تاکہ ان کو مضبوط کر سکوں۔ ان کی مدد کروں۔ ان کا دایاں بازو بن جاؤں۔ اور میں وہ سب کام کروں جن کے باعث وہ مجھ پہ فخر کریں۔"

پھر گردن فخر سے بلند کی۔ "میں تاشہ بنتِ مراد ہوں۔ میں کوئی عام عورت نہیں ہوں۔ اور میں چاہتی ہوں کہ میرے اردگرد موجود مرد مجھے کوئی بے مصرف خوبصورت عورت سمجھ کے نظر انداز نہ کریں۔"

(بورنگ پریٹی وومن) کرسی کے پیچھے کھڑا غلام مسکرایا تھا۔

تالیہ اب کھانا نکالنے لگی۔ سلطان جو سحرزدہ سا پھل کھانا بھول گیا تھا' آخر میں اثبات میں سر ہلانے لگا اور دوبارہ سے پھل اٹھا لیا۔ ذرا دیر کی خاموشی کے بعد راجہ مراد کھنکھارا۔

"آقا.... شہزادی تاشہ اپنا تعارف کروا چکی ہیں۔ اس لیے موضوع کی طرف لوٹتے ہیں۔ میری ناقص رائے میں' وزیرِ خزانہ کے لئے ابو الخیر سے بہتر نام کسی کا نہیں ہو سکتا۔ یہ میری ایک تجویز ہے۔"

یان سوفو نے اتنی گہری سانس بھری کہ وہ سب اسے دیکھنے لگے۔ وہ دانت پہ دانت جما کے مسکرائی۔

"آقا.... مراد راجہ کی ذہانت اور وفاداری پہ کوئی شک کر بھی نہیں سکتا۔ ان کا تجویز کردہ نام بہت مناسب ہوگا' میں جانتی ہوں۔ لیکن ابو الخیر کے لیے اس عہدے سے زیادہ بہتر کام ہیں جہاں ان کی قابلیت کو ہم استعمال کر سکتے ہیں۔ میرے نزدیک اس عہدے کو اگر سن باؤ کے حوالے کر دیا جائے تو زیادہ بہتر رہے گا۔"

"سن باؤ ملے نہیں ہیں' ایک چینی باشندے ہیں۔ معذرت کے ساتھ۔" راجہ مراد نے فوراً ہاتھ اٹھا کے ملکہ کو ٹوکا۔ "سن باؤ چینی حکومت کا ایک اہم حصہ ہیں۔ ان کے اوپر اگر ہم اپنے کاموں کی بھی ذمے داری ڈال دیں تو ہمارے دوست ملک چین کو یہ بات

اچھی نہیں لگے گی۔ ہمیں سن باؤ کو ایسے امتحان میں نہیں ڈالنا چاہیے۔"

اپنے ذکر پہ سن باؤ نے سر جھکا دیا تھا۔ ابوالخیر البتہ دلچسپی سے داڑھی کے بال نوچتا دونوں اطراف کے دلائل سن رہا تھا۔

"بس بہت ہو گیا۔" مرسل شاہ نے میز پہ ہاتھ مارا تو ایک دم خاموشی چھا گئی۔ ایک موم بتی نیچے گر گئی۔ فاتح فوراً آگے بڑھا اور موم بتی اٹھا کے سیدھی کھڑی کی۔ پھر واپس اپنی جگہ پہ جا کھڑا ہوا۔

"شہزادی تاشہ کا کیا خیال ہے' اس عہدے کا اہل کون ہے۔"

سلطان کے الفاظ تھے' یا کیا۔ راجہ مراد کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ملکہ کا رنگ اُڑا۔ ابوالخیر نے برہمی سے بھنویں بھینچیں اور سن باؤ نے حیرت سے پہلے سلطان اور پھر تالیہ کو دیکھا۔

تالیہ نے رومال سے نزاکت سے لب تھپتھپائے اور پلکیں اٹھائیں۔ پھر مسکرا کے نرمی سے بولی۔

"آقا' مجھے اپنا خیال ظاہر کرنا ہے' تجویز پیش کرنی ہے یا مشورہ دینا ہے۔"

"مشورہ!" مرسل نے سوچے سمجھے بغیر کہا۔

"اچھا مشورہ اگلے ہی لمحے نہیں دیا جا سکتا' آقا! آپ کے سامنے دو نام ہیں۔ ابوالخیر اور سن باؤ وانگ لی۔ مجھے ان دونوں شخصیات کا مطالعہ کرنے کے لیے کچھ وقت درکار ہے۔ اگر آقا مجھے صبح تک کا وقت دے دیں تو میں کل محل میں حاضر ہو کے خود آقا کو اپنا مشورہ سنا دوں گی۔ عمل کرنا یا نہ کرنا آپ کی اپنی صوابدید پہ منحصر ہوگا۔ ایسے ٹھیک ہے نا' ملکہ!" سادگی سے پلکیں جھپکا کے یان سوفو کو دیکھا۔

وہ خون کے گھونٹ بھر کے رہ گئی تھی۔ مگر جبراً مسکرائی۔ "ہاں' یہ مناسب رہے گا۔"

"بالکل۔ کل صبح آپ مشاورت کے لیے تشریف لے آئیے گا شہزادی۔" مرسل شاہ اس سے نظریں نہیں ہٹا پا رہا تھا۔ ملکہ نے بے چینی پہلو بدلا۔ ابوالخیر نے خشمگیں نگاہوں سے مراد کو گھورا جس نے جواب میں "دھیرج" کا اشارہ کیا اور تالیہ کو دیکھا۔ مگر سنہرے بالوں والی شہزادی شاہی آداب کا خیال رکھے پوری توجہ سے قہوے کے گھونٹ بھر رہی تھی۔

وان فاتح ہاتھ باندھے کھڑا مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

بنگارایا ملایو کے پہلے باب میں یہی لکھا تھا ......مگر آگے.....آگے کیا ہوگا؟ اس نے بے اختیار سوچا تھا۔

☆☆☆

رات مزید سیاہ ہوئی تو ابوالخیر کی حویلی سے چلتے قافلے بندا ہارا کے محل کے اندر پڑاؤ ڈالتے دکھائی دینے لگے۔ محل کے باہر بگھی رکی اور خادم نے دروازہ کھولا تو تالیہ پائے دان پہ پیر رکھتی' ایک شان سے نیچے اُتری۔ لباس پہلوؤں سے اٹھایا اور قدم آگے بڑھائے ہی تھے کہ.... گھوڑے کی تیز ٹاپ قریب آتی سنائی دی۔

وہ رک کے دیکھنے لگی۔

مراد راجہ اپنا سیاہ چمک دار گھوڑا دوڑاتا ہوا آ رہا تھا۔ ماتھے پہ سرخ پٹی بندھی تھی اور لمبے سیاہ بال ہوا سے پیچھے اُڑ رہے تھے۔ وہ کھڑی رہی' یہاں تک کہ وہ اس کے قریب آیا اور گھوڑا روک لیا۔ پھر ہاتھ سے اشارہ کیا تو تمام غلام اور کنیزیں دور ہٹتے چلے گئے۔

"اچھا لگا تمہارا آنا۔ تمہاری باتیں بھی اچھی لگیں۔ سلطان بھی کافی متاثر ہوئے تم سے۔" گھوڑے پہ بیٹھے بیٹھے اس نے نظریں جھکا کے نیچے کھڑی تالیہ کو دیکھا۔ وہ مسکرا دی۔ دونوں محل کی عمارت کے باہر کھڑے تھے۔

"سلطان؟ کون سلطان؟ وہ بچہ جس کو تخت پہ بٹھا دیا گیا ہے اور جو کھانے پینے اور موسیقی سے لطف اندوز ہونے کے بعد فارغ اوقات میں آپ کے حکم کے مطابق شاہی حکم ناموں پہ مہر لگا دیتا ہے؟ وہ سلطان؟"

"وہ ہمارے آقا ہیں' تاشہ!" مراد کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ آواز میں گرج پیدا کی۔ تالیہ گردن

اٹھائے' اس کو دیکھتی رہی۔ چند ثانیے کو قدیم ملاکہ کے اس محل کے سبزہ زار پہ خاموشی چھا گئی۔ آسمان پہ دمکتا چاند اور بادل بھی ٹھہر کے ان دونوں کو دیکھتے رہے۔

"Cesium-137"

مراد کے ابرو تنا بھی اور کوفت سے بھنچے۔ "کیا؟"

"آپ نے مجھ سے پوچھا تھا راجہ' کہ تمہاری اور ہماری دنیا میں کیا فرق ہے۔ صرف Cesium-137 کا فرق ہے۔ (سر اٹھا کے آسمان کو دیکھا اور ناک سے سانس اندر کھینچی۔) ابھی یہ عنصر ہوا میں شامل نہیں ہوا مگر.... (واپس چبھتی نظروں سے باپ کو دیکھا۔) آج سے پانچ سو سال بعد جب ایٹم بم پھٹے گا' اور دوسری جنگِ عظیم ہو گی تو یہ اس دنیا کی فضا میں شامل ہو جائے گا۔

کوالالمپور اور قدیم ملاکہ میں صرف Cesium-137 کا فرق ہے ورنہ خدا کی قسم' دنیا تب بھی ایسی ہی ہو گی اور دنیا اب بھی ویسی ہی ہے۔" وہ ایک دم اتنی نفرت سے بولی کہ مراد اسے دیکھ کے رہ گیا۔

"وہی لالچ.... وہی حکومت ملتے ہی اپنی پسند کے آدمی اعلا عہدوں پہ لگانا... عوام کا خراج (ٹیکس) چوری کرنا... موروثی سیاست کرنا.... باپ کی جگہ پہ بغیر کوئی کامیابی حاصل کیے بگڑے بیٹے کو بٹھا دینا.... آپ بنداہارا نہیں ہیں' راجہ.... آپ صرف .... ایک... سیاستدان ہیں۔ اور یہ مت سمجھیں کہ میں سیاستدانوں سے پہلی دفعہ مل رہی ہوں۔" آخر میں استہزائیہ مسکرا کے سر جھٹکا تو گھوڑے پہ بیٹھا مراد نیچے اترا۔ پیر رکاب سے آزاد کیے' گھوڑے کو تھپکا تو وہ ایک طرف بھاگ گیا' اور پھر وہ تالیہ کی طرف گھوما اور تحمل سے بولا۔

"ایسے ہی ہوتا ہے۔ طاقت ملتی ہے تو شروع شروع میں سب کے دماغ ایسے ہی اوپر پہنچ جاتے ہیں۔ دھیرج' تاشہ۔ میرے ساتھ مل کے کام کرو۔ یان سوفو کے آدمی کو لگانے کا مطلب جانتی ہو وہ سارا خزانہ لوٹ کے چین بھجوا دے گا۔ اگر تمہیں سلطان نے یہ طاقت دے ہی دی ہے کہ تم اس فیصلے میں ان کی معاونت کر سکو تو تمہیں وہ فیصلہ کرنا چاہیے جو اس ملک کے لیے اچھا ہو۔ ہم ایک چینی عورت سے سلطان کی شادی تو کروا سکتے ہیں مگر سارا ملک بیچ کے اس کے حوالے نہیں کر سکتے۔"

تالیہ اس بات پہ مسکرا دی۔

"جیسا کہ میں نے کہا' میری دنیا اور آپ کی دنیا ایک سی ہے' راجہ۔ مگر ان دونوں دنیاؤں میں آج بھی بڑے مقاصد کے لیے جینے والے' نڈر اور اچھے لوگ موجود ہیں۔ یقین رکھیے' آپ کی بیٹی اگر پہلے ان لوگوں میں سے نہیں تھی' تو اب ہو گی۔ اب میں سیدھ میں چلتی ہوں اور آپ کو راجہ کہہ کے پکارتی ہوں۔ آپ کو ایک اچھی بیٹی سے نہیں ڈرنا چاہیے' راجہ۔" اس نے نرمی سے مسکرا کے باپ کی کہنی تھامی اور جیسے یقین دلایا۔

"اور ان دونوں دنیاؤں میں سارے برے حادثات اچھے لوگوں کے ساتھ ہی ہوتے ہیں' میری بیٹی۔" وہ ہموار لہجے میں کہہ کے آگے بڑھ گیا۔

اس کی کہنی تالیہ کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی۔

"شریفہ۔" اپنی خواب گاہ میں آتے ہی تالیہ نے کنیز کو اشارہ کیا تو وہ فوراً دروازہ بھیڑ کے چلی آئی۔

"جی شہزادی۔"

"آج رات تم بابا کے پاس جا کے ان کو یہ بتاؤ گی کہ میں ابوالخیر کے حق میں فیصلہ دینا چاہتی ہوں۔ تمہیں میری باتوں سے یہی لگتا ہے' ٹھیک۔"

"لیکن شہزادی اگر آپ نے بن باؤ کے حق میں فیصلہ دے دیا تو وہ مجھ پہ شک کریں گے۔" وہ متامل ہوئی۔

"اپنے وزن سے زیادہ بھاری ضرب نہ لگاؤ' شریفہ! جو کہا ہے' وہ کرو۔"

اس نے کنیز پہ ایک برہم نظر ڈالی تو اس نے جلدی سے سر تسلیم خم کر دیا۔ تالیہ کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔ اس کا دماغ مسلسل تانے بانے بن رہا تھا۔

☆☆☆

حویلی کے باورچی خانے کے باہر وہ ایک کھلی جگہ پہ بیٹھا تھا جہاں پانی کے ٹب بھرے رکھے تھے'

اور وان فاتح دوسرے غلاموں کے ساتھ برتن دھو رہا تھا۔ غلام دبے لفظوں میں آج کے شاہی مہمانوں کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ جس نے جس کی جتنی جھلک دیکھی تھی وہ اس کو بڑھا چڑھا کے بتا رہا تھا۔

"بنداہارا کی حسین بیٹی" گفتگو کا مرکز تھی۔ وہ جاتے وقت ایک غلام کو موتیوں کی مالا دے گئی تھی اور ان موتیوں کی چمک باقی سب کی آنکھیں خیرہ اور دل مغموم کیے ہوئے تھی۔ فاتح مسکرا کے سر جھکائے برتن دھوتے ہوئے سنتا رہا۔

"جلدی اندر آؤ۔ تمہیں مہمان کے لیے شوربہ لے کر جانا ہے۔" بوڑھا باورچی عجلت میں اس کے سر پہ آ کے بولا تو فاتح نے چونک کے سر اٹھایا۔ گیلی پلیٹ رکھ دی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"مہمان تو جا چکے ہیں۔"

"سن باؤ کو ابوالخیر نے شطرنج کی ایک بازی کے لیے روک لیا ہے۔ میں نے شوربہ تیار کر دیا ہے تم لے جاؤ۔"

بوڑھا کچھ بے چینی سے کہہ رہا تھا۔ فاتح نے سر کو خم دیا اور ہاتھ پونچھتا اندر آیا۔ سامنے لکڑی کی میز پہ سنہری طشتری رکھی تھی جس میں سنہرا پیالہ سوپ سے لبالب بھرا پڑا تھا۔ ساتھ میں سنہرا چمچ بھی رکھا تھا۔ یہ کھانا ہضم کرنے کا شوربہ تھا جو رات گئے پیا جاتا تھا۔

"کیا ہم اس پیالے میں پیش کریں گے؟ اور ان چاندی کے برتنوں کا کیا؟"

"جو کہا ہے وہی کرو۔ لے جاؤ اسے۔" بوڑھے نے ہاتھ جھلا کے کہا۔

فاتح میز کے قریب آیا۔ سوپ میں سے تھوڑی بہت بھاپ نکل رہی تھی۔ وہ کافی دیر پہلے ڈالا گیا تھا۔ ابھی اس نے باورچی خانے میں ابوالخیر کی آواز سنی تھی۔ وہ باورچی سے کچھ کہنے آیا تھا۔ سوپ کا پیالہ بھی پیتل کا تھا۔ نہ کہ چاندی کا۔

طشتری اٹھاتے ہوئے اس کا ذہن تیزی سے چلنے لگا۔

بوڑھا باورچی اڑی رنگت کے ساتھ وہیں پیچھے بیٹھ گیا اور سر جھکائے' آنکھیں میچ کے قرآنی آیات پڑھنے لگا۔ استغفار۔ توبہ۔ گلٹ۔

وان فاتح کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے آہستہ سے قدم آگے بڑھا دیے مگر ذہن اسی پیتل کے پیالے پہ اٹک گیا تھا۔

کیا ابوالخیر سن باؤ کو زہر دینے جا رہا تھا؟

اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔ مگر اب وہ رک نہیں سکتا تھا۔ وہ غلام تھا۔ اسے آگے جانا تھا۔

(اس زمانے میں عموماً آرسینک (سنکھیا) بطور زہر استعمال ہوتا تھا۔ چاندی کے برتن میں آرسینک ملا کھانا اگر ڈالا جائے تو برتن سیاہ پڑ جاتا تھا اور زہر کی تشخیص ہو جاتی تھی۔ حفظانِ صحت کے اصولوں کے باعث بھی امراء اور اچھے کھاتے پیتے گھرانوں کے لوگ چاندی کے برتن استعمال کرتے تھے کیونکہ چاندی جراثیموں کو بھی مار دیتی تھی اور زہر کے بارے میں خبردار بھی کر دیتی تھی۔)

دیوان خانے میں شام والی جگہ پہ اسٹول کے اردگرد وہ دونوں بیٹھے تھے۔ مگر اب پہلے جیسی شگفتگی ان کے مزاجوں میں نہ تھی۔ ابوالخیر خاموشی سے سن باؤ کا جائزہ لے رہا تھا جو منہ پہ دو انگلیاں رکھے غور سے بساط کو دیکھ رہا تھا۔ آہٹ پہ ابوالخیر نے فاتح کو آتے دیکھا تو سر کو خم دیا۔ (ادھر رکھ دو۔)

چند گز کا فاصلہ میلوں کا ہو گیا تھا۔ وہ بھاری قدم اٹھاتا قریب آیا اور جھک کے اسٹول پہ طشتری رکھی' ایسے کہ اس کی پشت ابوالخیر کی طرف تھی اور چہرہ سن باؤ کی طرف۔ سن باؤ نے شطرنج سے نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔

فاتح نے سیدھے ہوتے ہوئے آنکھوں کو پہلے پیالے پہ جھکایا.... پھر سن باؤ کو دیکھا.... اور ہونٹوں کو "نو" میں گول کر کے سر کو خفیف سی جنبش دی۔ (نہیں۔)

سن باؤ چونکا۔

فاتح نے نظریں جھکا دیں اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ سن باؤ بظاہر شطرنج کو دیکھنے لگا مگر اس نے تھوک نگلا تھا۔ لمحے بھر کا کھیل جیسے برسوں کا احسان چڑھا گیا۔

(باقی آئندہ)